Postal Regd. No.LW/NP/63/2006to2008
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071

Fortnightly

Vol. No. 44 Issue No. 15

تعمیرِ حیات لکھنؤ

Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off: 0522-2740406
Fax: 0522- 2741834 - 2741231
E-mail: nadwa@sancharnet.in

10 June. 2007

پندرہ روزہ

خوددار قوموں کا شعار

خوددار قوموں کا ہمیشہ یہی شعار رہا ہے کہ جب بھی کسی کے ہاتھوں انھیں اجتماعی رسوائی کا سامنا ہوا ہے، انھوں نے شخصی عظمت کو جماعت پر قربان کردیا ہے، یہ انسان کی فطرت ہے، ''رمی جمرات'' کی تاریخ یہی ہے کہ ہم اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، جو ہمارا دشمن ازلی ہے، جو ہماری ناکامی کا سبب بنا تھا، جس نے حضرت ابراہیمؑ کو بہکانا چاہا تھا اور جواب بھی ہماری تاک میں ہے، عربوں کی غیرت وحمیت، ان کی خودداری اور عزت نفس، ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے، انھوں نے اپنے امراء اپنے مشائخ اور علماء پر کھلی ہوئی تنقیدیں کی ہیں، انھیں کلمۂ حق سے کوئی شے مانع نہیں ہوتی تھی، لیکن آج ہم عرب نوجوانوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح ان ارباب اقتدار کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، جن کی قیادت کے ثمرات ہمارے سامنے ہیں، عرب شاعر نے غلط نہیں کہا تھا کہ ''وہ ظلم کا بدلہ مغفرت اور برائی کا بدلہ احسان سے دیتے ہیں گویا اللہ نے اپنے خوف کے لئے انھیں کو بنایا ہے۔''

Rs.10/-

۲۵ جون ۲۰۰۷ء

Mobile: 09415786548

Phone: Shop. 0522-2274606
(R) 0522-2616731

Mohd. Akram
Jewellers
Near Odeon Cinema, Lucknow

محمد اکرم جویلرس

Ph:2266786
Mob:9415015169

ثناء جویلرس
SANA JEWELLERS
Riyaz Ahmad
Ghyas Ahmad

۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ چوک لکھنؤ-۳
301/12, Sarai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Ph:2260433

جدید ڈیزائن کے سونے، چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم

گہنہ پیلیس
میں آپ کا خیر مقدم ہے

Gehna Palace
Whenever you see Jewlellery
Think of us

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ

خوشبودار عطریات

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر،
فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب،
عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

کی ایک قابل اعتماد دوکان

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ

اظہار سن پرفیومرس

اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

IZHARSON PERFUMERS
H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel.: 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell.91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد معروف خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845

Shop: 9415002532
2613736
3958875

سونے چاندی کی دنیا میں ۵۰ سالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جویلرس

گڈبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS
Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

Editer: *Shamsul Haq Nadwi* Office. Ph: 2740406 Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614685

DESIGNED BY HAMID, DALIGANJ LUCKNOW. Mobile: 9415769282

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۴۴ — شمارہ نمبر ۱۶

۲۵ / جون ۲۰۰۷ء مطابق ۹ / جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی

مدیر مسئول: مولانا نذر الحفیظ ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

● مولانا عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

● امین الدین شجاع الدین

سالانہ زرتعاون ۲۰۰/ ——— فی شمارہ ۱۰/

ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے ۴۰/ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

P.O.Box No.93 Tagormarg, Badshah Bagh, Lucknow-7

E-mail: nadwa@sancharnet.in Ph: (0522) 2740406

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

آپ کے خریداری نمبر کے پیچھے اگر لال لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات نگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِس شمارے میں

شعر و ادب

تو کچھ بھی نہیں! — اخگر مشتاق رحیم آبادی ندوی — ۲

اداریہ

اندازِ فکر میں تبدیلی کی ضرورت ہے — شمس الحق ندوی — ۳

فلسطین

المیہ فلسطین سے تین سبق — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ — ۵

یہودیوں کی خونخواری — عبداللہ اثل — ۷

وفات حسرت آیات

مولانا ناصر علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا ناصر علی ندویؒ - ایک سوانحی خاکہ — منور سلطان ندوی / ساجد علی ندوی — ۹

مولانا ناصر علی ندوی رحمہ اللہ — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۱۰

کچھ مولانا ناصر علی ندویؒ کے بارے میں — مفتی محمد ظہور ندوی — ۱۲

کم آمیز مگر دلآویز شخصیت کے مالک — محمد خالد ندوی غازی پوری — ۱۳

مولانا ناصر علی ندوی کی یاد میں — امین الدین شجاع الدین — ۱۵

علماء سلف کی یادگار — بلال عبدالحی حسنی ندوی — ۱۸

شیخ الحدیث مولانا ناصر علی ندویؒ — مسعود حسن حسنی ندوی — ۲۱

فقیہ مولانا ناصر علی ندویؒ — انیس احمد ندوی، مجلس تحقیقات، لکھنؤ — ۲۳

شیخ الحدیث کے انتقال پر تعزیتی جلسہ — ادارہ — ۲۵

☆☆☆☆☆

تہذیب نو

جنسی بے راہ روی کی تباہ کاریاں — سید جمشید احمد ندوی — ۲۶

فقہ و فتاویٰ

سوال و جواب — مفتی محمد طارق ندوی — ۲۹

تعارف و تبصرہ

رسید کتب — شمس الحق ندوی — ۳۰

شعروادب

.....تو کچھ بھی نہیں!

از.....اخگر مشتاق رحیم آبادی ندوی

بہ فیضِ علم تری عقل تو مسلماں ہے
مگر جو دل بھی مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

تجھے ہوا بھی جو عرفانِ کائنات تو کیا!
خود اپنے نفس کا عرفاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

فقط پرستشِ یزداں پہ اکتفا ہے ترا
جوساتھ طاعتِ یزداں نہیں تو کچھ بھی نہیں

نظر معارفِ قرآں پہ گر ہوئی بھی تو کیا!
عمل جو تابعِ قرآں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہزار "توبہ" کے الفاظ ہوں زباں پہ تو کیا!
گنہ پر اپنے پشیماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

علاج درد کا دنیا میں ڈھونڈنے والے
یہ درد خود ہی جو درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہزار مائلِ رفعت ہو فکرائے اخگر
بلند جذبۂ ایماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

☆☆☆☆☆

اداریہ

اندازِ فکر میں تبدیلی کی ضرورت ہے

از.....شمس الحق ندوی

یہ بات بار بار کہی جاتی ہے اور اکثر و بیشتر بڑی قوت و زور کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ مسلمانوں کی دینی غیرت وحمیت مر چکی ہے، قوم ماحول کے اثر اور دینی تعلیم سے بے خبر و ناواقفیت کی وجہ سے غیروں کی نقالی اور رسوم ورواج کی شکار ہے، اپنے دینی اقدار اور اسلامی امتیازات وخصوصیات سے بہت دور جا پڑی ہے، اور غیر قومیں دین اسلام کو اس کے حقائق، انسانیت کے فلاح کے ضامن قواعد اور اصولوں کا اندازہ مسلمانوں کی بے عملی سے لگاتی ہیں اور قیاس کرتی ہیں کہ اسلام اسی کی تعلیم دیتا ہے۔

ہمارے برادرانِ وطن سے بھی دوران سفر بسوں، ٹرینوں میں اس قسم کے سوالات سے واسطہ پڑتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دشمن پریس اور بالخصوص مغربی پریس اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جو کچھ لکھتا اور پروپیگنڈہ کرتا رہتا ہے اس سے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کے صاف وشفاف چشمۂ حیوان کے بارے میں نہ صرف یہ کہ شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کو دنیا کی پسماندہ اور پست ترین قوم سمجھتے ہیں، بلکہ مختلف طریقے اپنا کر ان کو غیر مہذب، دہشت گرد ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں جسکا طبعی اثر یہ پڑتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسلام اور اپنی قوم کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور سینما اور ٹیلی ویژن کے فحش اور دہشت گردی کا ذہن بنانے والے پروگراموں نے موجودہ دنیا کا جو ذہن بنا دیا ہے اور اسی کے ساتھ مال، عہدہ اور منصب حاصل کرنے کی حد سے بڑھی ہوئی ہوس نے جو ماحول بنایا ہے آخر ہمارے مسلمان نوجوان بھی تو اسی ماحول میں پل بڑھ رہے ہیں، یہ بگڑا ہوا ماحول ان کو اسلامی تعلیمات کے سیکھنے سکھانے کی طرف مائل ہی ہونے نہیں دیتا، کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کا ہر آدمی اپنے مذہب کی پوری تعلیمات سے واقف نہیں ہوتا اور نہ یہ ممکن ہے، ہر مذہب کے کچھ مذہبی پیشوا اور علماء ہوتے ہیں جو اپنے عوام کو موقع ومناسبت کے اعتبار سے دینی باتیں بتاتے اور انکو اس پر عمل کرنے کا شوق دلاتے ہیں، اب اگر ماحول سازگار ہوتا ہے تو علماء کے اس بتانے اور سکھانے کا اثر جلد اور زیادہ پڑتا ہے اور ماحول بگڑا ہوا ہوتا ہے جیسا کہ اس وقت ہے تو علماء کے اس کہنے اور بتانے کا اتنا اثر نہیں پڑتا جتنا پڑنا چاہیے، اسی لیے بہت سے مسلمانوں میں بہت سی وہ خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں، لہٰذا ان بے عمل اور غلط کار مسلمانوں کو معیار بنا کر اسلامی قوانین کو ظالمانہ اور غلط کہنا بڑی زیادتی کی بات ہے، ان حالات اور پروپیگنڈوں کی وجہ سے بیشک مسلمانوں میں بہت سی کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں جو غیروں کے لیے اسلام کے سمجھنے میں رکاوٹ بنتی ہیں، لیکن یہ حصہ اس سے بہت کم ہے جو اسلام دشمن طاقتوں یہودیت وعیسائیت کی اسلام دشمنی کے منظم پروپیگنڈہ سے اسلام کے بارے میں پیدا ہوتی ہے، اسلام چونکہ مطابقِ فطرت اصول وضوابط رکھتا ہے اس لئے آج کی حیران وسرگرداں دنیا کے جن افراد کو اسلام کے مطالعہ اور مسلمانوں کی بہت سی کمزوریوں کے باوجود مسلمان خاندانوں کو دیکھنے اور ان کے گھریلو نظام میں چھوٹے بڑے کے فرق وادب کا منظر ان کے دلوں میں رشک وحسرت پیدا کرتا ہے اور بہت سے تو اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

سطور بالا کا مقصد یہ ہے کہ بیشک مسلمانوں میں بہت سی کمزوریاں ہیں جنکی..... برابر نشان دہی کرتے رہنے اور حتساب کرتے رہنے کی ضرورت ہے، لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے، قوم زندہ ہے اور زندگی کا ثبوت دے رہی ہے۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

خود ہمارے اس ملک میں جہاں مسلمانوں کی اقتصادی پسماندگی اور غربت کا برابر ذکر کیا جاتا ہے، کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ قوم کے انہیں افراد کی دینی غیرت وحمیت اور دین سے تعلق ومحبت ہی کی وجہ سے انہیں کے گاڑھے پسینے کی کمائی سے دینی تعلیم کیلئے بڑے بڑے دارالعلوم قائم ہیں اور جگہ جگہ لاکھوں کی تعداد میں مکاتب ومدارس چل رہے ہیں، اگر قوم زندہ نہ ہوتی تو کیا یہ مدارس اسی طرح چل سکتے تھے۔

بیشک جو مدارس ومکاتب قائم ہیں وہ ناکافی ہیں، مزید کی ضرورت ہے اور جو قائم ہیں ان کے نظام کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے اور قوم کے جن باحیثیت افراد میں اس کا شعور کم ہے یا نہیں ہے یا مغربی نظام تعلیم سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف سے مایوس وبدگمان ہیں ان کے ذہنوں کو مناسب اور اچھے انداز میں صاف کرنے، مغربی جراثیم کو دور کرنے کی ضرورت ہے، اس زندہ وباعزت قوم کے جن افراد میں غفلت یا نمود وشہرت پر رقم خرچ کرنے کا رواج ہے ان کو ہوشیار کرنے اور اسلامی تعلیمات اور خدائی وعدوں سے باخبر کرنے کی ضرورت ہے، اور یہ کام بھی تصنیف وتالیف اور مدارس ومکاتب، علماء کے مواعظ وتقریروں اور دعوت وتبلیغ کے نام پر لکھنے والے حضرات اور دیگر بہت سے مختلف

عنوانوں سے قائم ہونے والی انجمنوں، جماعتوں اور تنظیموں کے ذریعہ انجام دیا جارہا ہے، جس کی دنیا کی کسی قوم میں مثال نہیں مل سکتی، اس لئے برابر یہ کہتے جانا کہ قوم مردہ ہوچکی ہے زندہ قوم کو پژمردہ بنانے کے مرادف ہوگا۔

اب رہا یہ سوال کہ جب قوم زندہ ہے اور مختلف محاذوں پر کام بھی ہورہا ہے تو مسلمانوں میں سے وہ خرابیاں کیوں نہیں دور ہوتیں جن کا بار بار تذکرہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں اس کی وجہ یہ ہے کہ فساد وبگاڑ کا طوفان جتنا تیز اور سخت ہے اس تناسب سے یہ کوششیں اور کاوشیں کم ہیں اور اس زندہ قوم میں جو عمومی بیداری ہونی چاہیے وہ نہیں ہے، لہٰذا قوم پر ماتم کرنے کے بجائے قوم میں عمومی بیداری پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور جو کام جن محاذوں پر ہورہے ہیں انکو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے، اور اسی کے ساتھ انکی بھی شدید ضرورت ہے کہ ہر ایک دوسرے کے کام کو اچھی نظر سے دیکھے اور اگر "المسلم مرآۃ المسلم" (مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے) کے پس منظر میں کسی جماعت، ادارہ یا تحریک وانجمن میں کوئی خامی وکمی محسوس ہوتو اس کو بدنام کرنے اور اس کی کمزوری کو اچھالنے کے بجائے مناسب وسنجیدہ طریقہ پر ان کو مشورہ دیا جائے، ایک دوسرے کے کام کو سراہا جائے، اس سے کاموں میں بھی بہتری پیدا ہوگی اور باہمی تعاون بھی حاصل ہوگا۔

اس وقت حالت یہ ہے کہ اگر کسی جماعت کی کسی بات سے اختلاف ہوا تو یہ اختلاف مخالفت کی صورت اختیار کرکے بے لگام تنقید وتبصرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں یہ زندہ قوم انتشار وخلفشار کا شکار ہوکر مختلف کمزوریوں میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہے، لہٰذا دین کے تمام خادموں اور خواص کو اس پہلو پر خصوصی توجہ دینی چاہیے، جذبات سے مغلوب ہوکر یا محض جماعتی عصبیت کی بنا پر ایسا اقدام ہرگز نہ کرنا چاہیے، جس کو کیا تو جاتا ہے حق گوئی وبے باکی کا عنوان دیکر لیکن اس میں درپردہ نفسانیت وجماعتی عصبیت اپنا کام کررہی ہوتی ہے جسکی نحوست وبے برکتی کی وجہ سے قوم وملت کو فائدہ سے زیادہ نقصان پہونچتا ہے اور جو وقت وصلاحیت کام اور قوم کی تعمیر میں صرف ہونا چاہیے وہ ان لایعنی باتوں میں صرف ہوکر نقصان کا باعث بن جاتا ہے، مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کی ختم نہ ہونے والی صورت کا یہی بڑا سبب ہے، اگر ذرا بھی سنجیدگی وحقیقت پسندی کے ساتھ اس پر غور کیا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائیگی۔

اسی طرح ایک گروہ مفاد پرستوں کا ہوتا ہے جو محض اپنے ذاتی فائدہ اور حصولِ جاہ کی خاطر قوم کی ان صلاحیتوں سے جو خام مال کی شکل میں موجود ہوتی ہیں، اشتعال وجذباتیت پیدا کرکے خود فائدہ اٹھاتا ہے اور قوم کو اشتعال وجذباتیت کی بھٹی میں ڈال کر مختلف کمزوریوں کا شکار بنادیتا ہے، اور جب مزاج میں جذباتیت اور مشتعل ہونے کی صلاحیت کو بھڑکا دیا جاتا ہے تو مسائل وحالات پر سنجیدگی سے غور کرنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے جو برابر فساد وبگاڑ ہی کی طرف لے جاتی ہے۔

لہٰذا اس زندہ قوم میں زندگی کا صور پھونکنے کیلئے ضروری ہے کہ دینی ودعوتی محاذ پر جتنے اور جس انداز سے کام ہورہے ہیں ان سب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے، یہ خیال وسوچ غلط ہے اور قوم وملت کو نقصان پہونچارہی ہے کہ جو کام ہم کررہے ہیں یہی اصل ہے باقی دوسرے انداز کے جو کام ہورہے ہیں وہ غلط ہیں، اس سوچ اور طرز فکر سے قوم کے اندر خام مال کی شکل میں جو صلاحیتیں موجود ہیں ان کو شدید نقصان پہونچ رہا ہے، موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ ہم اس پہلو پر غور کریں اور اسکی روشنی میں اپنا قدم آگے بڑھائیں اور جن موقعوں پر سب کے جمع ہوجانے اور متحد ہوکر کام کرنے کی ضرورت ہو وہاں سب متحد ہوجائیں، اس نازک موقع پر اس کا خیال نہ کریں کہ اس میں کامیابی کی صورت میں اس کا سہرا ہمارے ادارہ یا ہماری جماعت کے سر نہ ہوگا۔

سوچنے کا یہ انداز ثبت نہیں ہے، مخلصانہ نہیں منافقانہ ہے اور حدیث پاک "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" کے بالکل خلاف ہے، جس کو خواص خوب جانتے ہیں اور یوم الحساب کا ذکر بھی کبھی کرتے ہیں، لہٰذا اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اگر کسی بڑے دینی وقومی مفاد کو نظر انداز کرکے اپنے محدود کام کے محدود مفاد کو پیش نظر رکھ کر کام کریں گے تو نا عاقبت اندیشانہ اور سلبی کام کہلائے گا۔

☆☆☆☆☆

ایک تارا اور ٹوٹا

مولانا ناصر علی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ان ممتاز فرزندوں میں سے تھے جو انتہائی خاموشی ویکسوئی اور محنت ولگن اور پورے اخلاص سے نئی نسل کی آبیاری میں لگے ہوئے تھے، فقہ وحدیث ان کا خصوصی میدان تھا، ذاتی زندگی میں ان کی سیرت وکردار کی جھلکیوں کے ساتھ حدیث شریف اور فقہ میں مولانا کی امتیازی خوبیوں پر ان کے تلامذہ نے روشنی ڈالی ہے۔

حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء اور مفتی محمد ظہور صاحب مولانا مرحوم کے اساتذہ اور مربیوں میں تھے، ان دو حضرات کی شہادت مولانا ناصر صاحب کے تلمیذ رشید ہی نہیں بلکہ تلمیذ ارشد ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا موصوف سے متعلق موصول ہونے والے مضامین میں سے چند مضامین اس شمارہ میں باقی ان شاء اللہ ۱۰ر جولائی کے شمارہ میں شائع ہوں گے۔

فلسطین

آخری قسط

المیۂ فلسطین سے تین سبق

از ..... حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت

عرب قوم پر اللہ کی عنایت اور خاص رحمت یہ ثابت ہوئی کہ خلافِ اسلام رجحانات ونظریات رکھنے والے قائدین کو اس کا موقع ملا کہ وہ اپنے عزائم کو بروئے کار لاسکیں اور اپنے بنائے ہوئے پروگرام اور نقشوں کے مطابق عمل کرسکیں، اور پھر ناکام رہیں، عرب قوم کے لیے یہ مقدر ہوچکا ہے کہ وہ ہمیشہ اسلام کے پیغام کے ساتھ مربوط رہیں، اور اسی کے زیر سایہ ترقی کریں، حیرت انگیز طریقہ سے عرب کے سیاسی اسٹیج پر یہ رہنما نمودار ہوئے جنھوں نے عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت کی اور اسلام اور مسلمانوں کو پردہ کے پیچھے ڈھکیل دیا، اس طویل مدت میں یہ بھی ممکن تھا کہ قدرت کی طرف سے ان کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتیں اور یہ اپنے منصوبوں کے مطابق کام نہ کرسکتے، لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ ان کو پوری آزادی ملی اور جو جی میں آیا کرتے رہے، یہاں تک کہ عربوں کی نگاہوں میں روزِ روشن کی طرح یہ بات روشن ہوگئی کہ عرب کی بھلائی ان کے بس کی بات نہیں، اور یہ قیادت بدتوفیق، منحوس، بے نتیجہ اور بانجھ ہے۔

رسول اللہؐ کے حریفوں کا عبرت ناک انجام

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی مخالفت کرنے والوں، آپ کی عالمی اور ابدی قیادت کو چیلنج کرنے والوں اور نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کا ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے، قرآن کی آیت کریمہ: ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ "بیشک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہونے والا ہے" کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وحسد رکھنے والے اور آپ کی قیادت سے اختلاف کرنے والے قریش کے کسی اجڈ اور اکھڑ شخص کے لیے مخصوص نہیں مانتا، اسی طرح "ابتر" میرے خیال میں صرف نسلی اور نسبی انقطاع ہی کا نام نہیں بلکہ اس کا مفہوم اس سے بہت وسیع ہے اس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ:۔

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو بھی آپ کا مخالف ہو، آپ سے دشمنی رکھے، آپ کی عالم گیر قیادت کو چیلنج کرے، آپ کی قیادت سے قوم کا تعلق منقطع کرکے ان کی گردنوں پر خود مسلط ہوجائے، اور قوم کے ذہن ودماغ سے روحانیت کے مبارک عنصر کو خارج کرنا چاہے، اس کا انجام ہے بدتوفیقی، ناکامی، ذلت، گمنامی اور بے نشانی"۔

یہی انجام ہوا مسیلمہ کذاب کا، اسود عنسی کا، طلیحہ اسدی کا، سجاح کا، ابوطاہر جنابی کا، عبید بن میمون کا، حسن بن صباح کا، بہاء اللہ ایرانی اور غلام احمد قادیانی کا..... اور اسلام سے بغض وعداوت رکھنے والے انتہاء پسند قوم پرست لیڈروں کا بھی ہر زمانہ میں یہی انجام ہوا ہے، اور جو شخص بھی اس امت پر ناجائز طور سے اور زبردستی غلبہ حاصل کرے گا اور امت کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی قیادت سے الگ کرنے کی کوشش کرے گا اس کا انجام بھی وہی ہوگا، قرآن نے جس کی خبر دی ہے، اور تاریخ سے جس کی ابدیت ثابت ہے۔

مفسرین کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، انھوں نے اس آیت کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے اس کے اعتراف واحترام کے ساتھ میں اس آیت کے مفہوم کو اس قدر محدود نہیں سمجھتا، میرے نزدیک اس کا مفہوم وسیع ہے، اور یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حریف ورقیب اور آپ کی قیادت کو چیلنج کرنے والے ہر بدنصیب کا یہی انجام ہوگا۔

تاریخ، عقل سلیم اور حوادث سے صحیح نتائج اخذ کرنے والا باشعور ذہن ان رہنماؤں کو اس ناکام تجربہ کو دوبارہ دہرانے کی اجازت اور اس کا موقع ہرگز نہیں دے سکتا، انسان کی انفرادی زندگی میں بھی ناکام تجربات کا دہرانا خطرناک ثابت ہوا کرتا ہے، اور قوم کے قائدین کی غلطیوں کا اعادہ تو قوم کے مستقبل اور اس کے انجام کے لیے انفرادی زندگی کے محدود نقصان سے کہیں زیادہ مضرت رساں اور تکلیف دہ ہوگا۔

دوسرا سبق، خود غرض اور مفاد پرست رہنما

خود غرض اور مفاد پرست رہنماؤں کا یہ طریقہ جو اپنے نفس کی پرستش اور اقتدار کی اونچی کرسیوں کے سامنے سجدہ ریزی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، جو اپنے اغراض اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں کسی بھی چیز کو معیوب نہیں سمجھتے، جنہیں نہ دین ومذہب کا خیال ہے، نہ انسانیت کا پاس، نہ افراد کی آزادی کا لحاظ، نہ دین ومذہب نہ آخرت پر یقین، نہ اپنے ذاتی فوائد کے سامنے کسی قومی وملکی مصلحت کی فکر، نہ دوسروں کے خیالات ونظریات اور اصول وضوابط پر اعتماد، نہ ان کا لحاظ، جو خود "اعلیٰ اقتدار" اور افکار ونظریات کے بت تراشتے ہیں، پھر انہیں کے سامنے سربسجود ہوجاتے ہیں، اور ان کے سامنے کسی رائے، کسی نظریہ کو خاطر میں نہیں لاتے، اس قسم کے رہنما اور سربراہ اپنی قوم کے گناہوں کا نتیجہ ہیں، اور اسی کے پاداش میں ان پر مسلط کردیئے گئے ہیں، قرآن ان کی صحیح اور سچی تصویر کشی کرتا ہے:۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ، وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ، وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ

لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ، وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (بقرہ:۲۰۴-۲۰۶)

بعض انسان ایسے ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں بڑی بھلی لگتی ہے، وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہیں اور جب وہ قابو پاتے ہیں تو زمین میں ان کی سرگرمیاں اس لیے ہوتی ہیں کہ اس میں فساد پھیلائیں اور جانوں اور کھیتوں کو برباد کردیں اور اللہ فساد پسند نہیں کرتا، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور ان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے ان کے لیے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ان لیڈروں کی اس سے بہتر اور سچی تصویر اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس کا ایک ایک جزو ان پر منطبق ہورہا ہے، ان کی چکنی چپڑی باتیں سنئے، انسانیت، آزادی، جمہوریت، اشتراکیت، انسانی حقوق اور معاشرتی انصاف جیسے موضوعات پر ان کی، ان کے حواریین اور ان کے گرگوں کی رواں اور فصیح وبلیغ عبارتیں پڑھئے، عرب ممالک کے کسی بھی مرکز سے بہترین اور دل نواز نشریات سنئے، اخبارات میں شائع ہونے والی ان کی وجیہ وشکیل تصویریں دیکھئے آپ تعجب کریں گے کہ یہ وجیہہ اور بارعب سورما کیا اسرائیل سے شکست کھاسکتے ہیں؟

اگر آپ قرآن کی تصدیق اور اس کی عملی تفسیر چاہتے ہیں تو ذرا اخبارات میں گزشتہ واقعات کی تفصیل پر ایک نظر ڈال لیجئے اور ان حادثات سے ان رہنماؤں کے دل ودماغ پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں، ان پر غور کیجئے اور اسی طرح قرآن کی یہ آیت پڑھئے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ، وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ، كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ، يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ، هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ﴾ (منافقون:٤)

اگر تم ان کو دیکھو تو ان کے جسم تم کو بھلے لگیں گے اور وہ کچھ کہیں تو تم ان کی باتیں سنو گے جیسے وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہر آواز انہی کے خلاف ہے وہی دشمن ہیں ان سے محتاط رہو۔

قرآن کی اس آیت میں ان کی صحیح اور حقیقی تصویر پوری طرح اور مجسم شکل میں آجاتی ہے، یہ قرآن کا ابدی معجزہ ہے۔

نازک اور اہم مرحلہ

اس وقت عرب قوم اپنی تاریخ کے انتہائی نازک اور اہم مرحلہ سے گزر رہی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ شکست کا مرحلہ ہے یا مصیبت کا مقام ہے، اور میں اس مصیبت سے خوف زدہ نہیں ہوں، دعوت اور پیغام کی حامل قومیں، طویل تاریخ رکھنے والی قومیں، زندہ ضمیر اور روشن اور زندگی سے بھرپور قلب رکھنے والی قومیں، ان مراحل سے گزرتی ہی رہتی ہیں، ہم خود اس طرح کے بے شمار مراحل سے گزر چکے ہیں، ہمارے اوپر صلیبیوں نے یلغار کی، تاتاریوں کا طوفان ہمارے سروں پر سے گزر گیا، جب کہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں مسلمانوں کی آخری سانس بھی نہ رک جائے، پھر بھی وہ مایوسی اور بدشگونی کا مقام نہیں تھا، کیونکہ مومن کا ضمیر زندہ تھا، مومن کی عقل باشعور تھی، اور وہ خیر وشر، دوست ودشمن اور مفید ومضر کی تمیز کرسکتا تھا، اور اس وقت مسلمان جری، صاف گو اور بہادر تھا۔

قومی ضمیر پر موت طاری

میں ان جیسے المیوں سے کوئی خطرہ نہیں محسوس کرتا، بلکہ مجھے اصل خطرہ اس ضمیر سے ہے، جس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے، ضمیر کا کام ہے احتساب اور غلطیوں کی گرفت، خواہ وہ اپنے باپ اور بھائی سے سرزد ہوئی ہو یا کسی ذی وقار پیشوا اور رہنما سے، اگر یہ ضمیر مردہ ہوجائے، اپنا فطری عمل چھوڑ دے، اپنی افادیت کھو بیٹھے، اور اس میں حقائق کے اعتراف کی صلاحیت باقی نہ رہ جائے، تو یہی سب سے بڑا خطرہ ہے، یہ انسانیت کی موت ہے، ایک انسان مرتا ہے تو ہزاروں انسان پیدا ہوجاتے ہیں، لیکن جب ضمیر مردہ ہوجائے، اجتماعی اور قومی ضمیر سے زندگی کے آثار ناپید ہوجائیں، جب قوم سے محاسبہ کی صلاحیت اور جرأت ختم ہوجائے، جب تنقید واحتساب کی جگہ شاباشی، اور داد وتحسین کے پھول برسنے لگیں تو یہ ایسا المیہ ہوگا جس کے بعد کسی المیہ کا تصور ہی ممکن نہیں۔

فتح اور شکست معیار نہیں

آپ حضرات واقف ہیں کہ ہر قوم نشیب وفراز کے ان مراحل سے گزرتی ہے، شکست کے بعد فتح، فتح کے بعد شکست اور کبھی پے درپے ہزیمتیں، قوموں کے عروج وزوال میں یہ مراحل بار بار آتے ہیں، اور کسی قوم میں خود اعتمادی کے جوہر اور کارزارِ حیات میں سرگرم عمل رہنے کی صلاحیتیں ان مراحل میں گزرے بغیر اجاگر بھی نہیں ہوتیں، اسی غرض سے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کے لیے بھی آزمائش مقدر فرمادی تھی، اور کبھی کبھی ان کو پیچھے ہٹنا پڑا، چنانچہ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ، وَيَوْمَ حُنَيْنٍ، إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ﴾ (توبہ: ۲۵)

"بہت سے میدانوں میں اللہ تمہاری مدد کرچکا ہے اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترائے پھرے کچھ تمہارے کام نہ آئی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ دے کر ہٹ گئے"۔

یہ تربیت الٰہی کا انداز ہے، جس میں کسی قوم یا کسی طبقہ کے لیے کوئی استثنا یا رعایت یا کوئی امتیاز نہیں اور یہ فتح وشکست کسی قوم کی عزت وذلت اور بلندی وپستی کا معیار بھی نہیں۔

☆☆☆☆☆

فلسطین

دوسری قسط

یہودیوں کی خونخواری

تحریر: عبداللہ المتل
ترجمانی: سید سلمان حسینی ندوی

بتاریخ ۱۱۶۰ء Gloucester برطانیہ میں:

"ہارولڈ نامی" ایک بچہ کی لاش ملی، جس کے جسم کے ان مقامات پر جن کو سولی دینے کے لیے نشانہ ظلم بنایا جاتا ہے، زخمی کرکے خون نکالا گیا تھا۔

بتاریخ ۱۱۷۱ء Blois فرانس میں:

یہودیوں کے تہوار کے موقعہ پر ایک عیسائی بچہ کی لاش نہر میں پڑی ملی، جس کا خون مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لیے نکالا گیا تھا، چند یہودی مجرموں کا یہ جرم ثابت ہوگیا اور انہیں موت کی سزا دی گئی۔

بتاریخ ۱۱۷۹ء Pontoise فرانس میں:

رچرڈ نامی ایک بچہ کا خون جسم کے آخری قطرہ تک نکال لیا گیا، پھر پیرس کے کلیسائے شہداء اس کی لاش لے جائی گئی، اور اسے Saint (مقدس) کا لقب دے دیا گیا۔

بتاریخ ۱۱۸۱ء Burg St. Edmunds برطانیہ میں:

یہودی تہوار کے لیے ایک بچہ کا خون نکالا گیا، اور اس کی لاش کو معصوم شہداء کے پہلو میں شہر کے معروف گرجا میں دفن کردیا گیا۔

بتاریخ ۱۱۹۲ء Winchester برطانیہ میں:

ایک بچہ کی لاش ملی جس کو یہودی تہوار کے لیے سولی دی گئی تھی۔

بتاریخ ۱۱۹۲ء Braine فرانس میں:

ایک عیسائی نوجوان کو چوری کے الزام میں "کونٹس آف ڈرو" نے یہودیوں کے ہاتھ فروخت کردیا، یہودیوں نے اس کو ذبح کرکے اس کا خون لے لیا، بادشاہ فیلیپ نے اس مقدمہ کی کارروائی خود انجام دی، اور یہودی مجرموں کو زندہ جلوادینے کا حکم جاری کیا۔

بتاریخ ۱۲۳۲ء Winchester برطانیہ میں:

ایک سولی زدہ عیسائی بچہ کی لاش ملی، جس کو مذہبی رسم کے لیے مارا گیا تھا، اس واقعہ کا تذکرہ متعدد تاریخی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

بتاریخ ۱۲۳۵ء Fulda جرمنی میں:

پانچ بچوں کی لاشیں ملیں جنہیں ذبح کیا گیا تھا، یہودیوں نے اعتراف کیا کہ انہوں نے بعض امراض کے علاج اور طبی مقاصد کے لیے ان کا خون لیا تھا، جس کے بعد ان کے خلاف سخت انتقامی کارروائی ہوئی، اور بڑی تعداد میں یہودی قتل کیے گئے۔

بتاریخ ۱۲۴۴ء London برطانیہ میں:

سینٹ بنڈکٹ کے مقبرہ میں ایک بچہ کی لاش ملی، جس کے جسم کا ایک ایک قطرہ نکالا جاچکا تھا۔

بتاریخ ۱۲۴۷ء Valreas برطانیہ میں:

دوسال کی عمر کے ایک بچہ کی لاش ملی، جس کی گردن، قدم اور کلائی میں زخم دے کر اس کا خون نکالا گیا تھا، یہودیوں نے اعتراف جرم کیا کہ انہوں نے ضرورت کے تحت ایسا کیا، اور یہ نہیں بتایا کہ وہ اس کو مذہبی مراسم میں کس طرح استعمال کرتے ہیں، "پوپ سینٹ انوچہارم" کا کہنا ہے کہ اس کیس میں تین یہودیوں کو سزائے موت ہوئی، یہودی انسائیکلوپیڈیا جلد۳، ص:۲۶۱ پر اس کا تذکرہ ہے کہ ان کے اعتراف جرم کے بعد ان کو سزائے موت دی گئی۔

بتاریخ ۱۲۵۰ء Saragossa اسپین میں:

ایک سولی زدہ بچہ کی لاش ملی جس کا خون نکالا گیا تھا، کلیسا نے اس کو سینٹ قرار دیا۔

بتاریخ ۱۲۵۵ء Linkoln برطانیہ میں:

یہودیوں نے اپنے تہوار کے موقعہ پر ایک عیسائی بچہ کو جس کا نام Hogh تھا اغوا کیا، اس کو تکلیف دے کر، خون نکال کر سولی پر چڑھایا، اس کے والد کو اپنے بچہ کی لاش Joppin نامی ایک یہودی کے مکان کے پاس ایک کنویں میں ملی، دوران تحقیق اس یہودی نے اپنے ساتھیوں کے نام بتانے کیساتھ اعتراف جرم کیا، ۹۱ر یہودیوں پر مقدمہ قائم ہوا، اور ۱۸ر یہودیوں کو سزائے موت دی گئی، بادشاہ ہنری سوم نے اس گواہ کو معاف کرنے کی درخواست رد کردی، اور اسے بھی سزائے موت دی گئی، پھر کلیسا نے اس معصوم بچہ کا اعزاز کرتے ہوئے اور اس کو شہیدوں میں شمار کرتے ہوئے لنکن کیتھڈرل میں اسکو دفن کروایا۔

بتاریخ ۱۲۵۷ء لندن برطانیہ میں:

ایک بچہ کی لاش ملی، جس کی گردن اور کلائی میں زخم دے کر اس کا خون نکالا گیا تھا۔

بتاریخ ۱۲۶۱ء Baden جرمنی میں:

ایک بوڑھی عورت نے ایک سات سالہ بچی کو یہودیوں کے ہاتھ بیچ دیا، جنہوں نے اسکا خون نکال کر اسے دریا میں پھینک دیا، اس بڑھیا کو اس کی بیٹی کی گواہی کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا، کئی یہودیوں

کوسزائے موت دی گئی، دو یہودیوں نے خودکشی کرلی، بچی کو سینٹ کا لقب دیا گیا۔

بتاریخ ۱۲۷۶ء لندن برطانیہ میں:

ایک بچہ کی لاش ملی جس کے جسم سے فنکارانہ طریقہ پر ہر قطرۂ خون نکالا جاچکا تھا۔

بتاریخ ۱۲۷۹ء Northomton برطانیہ میں:

ایک بچہ کی لاش پائی گئی، جس کا خون نکالا گیا تھا، یہودیوں پر مقدمہ دائر ہوا، اور پچاس مجرم یہودیوں کو گھوڑوں کی دموں سے باندھ کر گھسیٹا گیا، پھر سولی دی گئی۔

بتاریخ ۱۲۸۶ء Oberwesel جرمنی میں:

یہودیوں نے اپنے تہوار کے لیے ایک عیسائی بچہ کو جس کا نام Werner تھا، تین دن تک اذیتیں دیں پھر اسے النا لٹکا کر اس کا خون نکالا گیا، لاش دریا میں ملی، بچہ کو سینٹ قرار دیا گیا، اور اس کی موت کی تاریخ ۱۹/اپریل کو اس گھناؤنے جرم میں یاد کیا جانے لگا۔

بتاریخ ۱۲۸۷ء Berne سوئیزرلینڈ میں:

یہودیوں نے "اوڈلف" نامی ایک بچہ کو اپنے تہوار میں Matler نامی ایک مالدار یہودی کے گھر میں ذبح کیا، بعد میں یہودیوں کو اعتراف جرم کرنا پڑا، اور ان کی ایک بڑی تعداد کو سزائے موت دی گئی، بچہ کو سینٹ بنادیا گیا، اور شہر میں ایک اسٹیچو نصب کیا گیا جس میں دکھایا گیا کہ ایک یہودی ایک چھوٹے بچہ کو کھا رہا ہے، یہ اسٹیچو یہودیوں کے محلہ میں ان کے بدترین جرائم کی یاد میں لگایا گیا۔

بتاریخ ۱۲۸۸ء Troyes فرانس میں:

یہودی مذہبی مراسم کے طریقہ پر ایک بچہ کو ذبح پایا گیا، یہودیوں پر مقدمہ چلا اور ۱۳/یہودیوں کو زندہ جلا کر مارا گیا، دیکھئے: یہودی انسائیکلوپیڈیا، جلد: ۱۲، صفحہ: ۲۶۷۔

بتاریخ ۱۲۹۰ء Oxford برطانیہ میں:

یہودیوں نے ۲۱/جنوری کو ایک عیسائی بچہ کو ذبح کرکے خون نکالا، جرم کا ثبوت فراہم ہونے پر بادشاہ ایڈورڈ اول نے واقعہ کے ایک مہینہ کے بعد پورے برطانیہ سے یہودی مجرموں کے انخلاء کا حکم دیا، اس واقعہ نے انگریزوں کا پیمانہ صبر چھلکا دیا، اور انہوں نے بالکلیہ یہودیوں سے گلوخلاصی کا فیصلہ کیا۔

بتاریخ ۱۴۶۳ء Innsbruck (آسٹریلیا) میں:

Andreas نامی ایک بچہ کو یہودیوں کے ہاتھوں بیچا گیا، جس کو انہوں نے جنگل میں ایک چٹان پر ذبح کیا، اور اس کا خون استعمال کیا، جرم ثابت ہوگیا، لیکن یہودی بھاگنے میں کامیاب ہوگئے، اور مقدمہ نہیں چل سکا۔

بتاریخ ۱۴۶۸ء Segovia اسپین میں:

ایک عیسائی بچہ کا خون نکال کر یہودیوں نے اسے سولی پر چڑھادیا، عدالت میں جرم ثابت ہوا، اور متعدد یہودیوں کو موت کی سزا ہوئی۔

بتاریخ ۱۴۷۵ء Trent اٹلی میں:

سیمون نامی ایک تین سالہ بچہ غائب ہوگیا، جب یہودیوں پر الزام لگنے لگا، تو انہوں نے ایک تالاب سے اس کی لاش نکال کر دکھائی، تاکہ یہ ثابت ہوجائے کہ یہ ڈوب کر مرگیا، لیکن تحقیقات سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس بچہ کی گردن، کلائی اور پیروں میں زخم لگا کر اور اس کا خون نکال کر اس کی لاش تالاب میں پھینکی گئی ہے، یہودیوں نے اپنے جرم کا اعتراف کیا، اور اس کا جواز یہ کہہ کر پیش کیا کہ انہیں اپنے مذہبی مراسم اور تہوار کی روٹی کے لیے اس کی ضرورت تھی، اس جرم کی پاداش میں ۷/یہودیوں کو سزائے موت ہوئی، اور سیمون کو سینٹ قرار دیا گیا۔

بتاریخ ۱۴۸۰ء Venice اٹلی میں:

یہودیوں نے Lorenziho نامی ایک بچہ کو ذبح کرکے اس کا خون لیا، پوپ بنڈکٹ چہاردہم نے اس کو سینٹ کا لقب عطا کیا۔

بتاریخ ۱۴۹۰ء اسپین میں:

Yuce نامی یہودی نے اس شرط پر کہ اسے معاف کردیا جائے، یہ اعتراف کیا کہ اس نے اپنے شرکائے کار کے ساتھ مل کر "کرسٹوفر" نامی بچہ کو مذہبی مراسم کی خاطر خون لینے کے لیے ذبح کیا، اس کیس میں ۸/یہودیوں کو سزائے موت دی گئی اور بچہ کو سینٹ قرار دیا گیا، انہیں جرائم کی بنیاد پر اسپین کے بادشاہ اور ملکہ نے ۱۴۹۲ء میں اسپین سے یہودیوں کی جلاوطنی کا فیصلہ کیا۔

بتاریخ ۱۴۹۴ء Tyranan ہنگری میں:

یہودیوں نے ایک بچہ کا خون لے کر اسے سولی پر چڑھادیا، ایک بڑھیا نے ان کے جرم کے بارے میں گواہی دی، مقدمہ کے دوران یہودیوں نے اس کا اعتراف کیا کہ انہوں نے مزید ۴/بچوں کا خون اسی طرح طبی مقاصد کے لیے حاصل کیا تھا۔

بتاریخ ۱۵۱۰ء Brandenburg جرمنی میں:

یہودیوں نے ایک بچہ کو خرید کر اس کا خون نکالا، پھر سولی پر چڑھادیا، مقدمہ کے دوران انہوں نے اعتراف جرم کیا، اور ۴۱/یہودیوں کو سزائے موت دی گئی۔

بتاریخ ۱۶۰۳ء Verona اٹلی میں:

ایک بچہ کی لاش ملی، جسکا خون بڑے فنکارانہ طریقہ پر نکالا گیا تھا، یہودیوں نے جج کو بڑی رشوت دے کر اپنی جان بخشی کرائی۔

(جاری)

مولانا ناصر علی ندویؒ ایک سوانحی خاکہ

☆ ولادت: جولائی ۱۹۳۳ء مطابق ۱۳۵۲ھ۔

☆ جائے پیدائش خرم نگر، لکھنؤ

☆ والد ماجد جناب عاشق علی صاحب ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے اور محکمہ بجلی میں ملازم تھے۔

☆ ابتدائی تعلیم محلہ کے کتب میں ایک حافظ صاحب سے ہوئی۔

☆ مڈل اسکول پاس کیا۔

☆ ثانوی تعلیم کیلئے دار العلوم ندوۃ العلماء میں ۱۹۴۸ء میں داخلہ لیا۔

☆ دار العلوم میں فقہ کی تعلیم بطور خاص مولانا اسحٰق سندیلوی ندویؒ مہتمم دار العلوم اور مولانا اسباط رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔

☆ مولانا اسباط رحمۃ اللہ علیہ نابینا تھے، آپ عبارت پڑھ کر انہیں مطالعہ کرایا کرتے تھے۔

☆ ۱۹۵۷ء میں دار العلوم سے سند فراغت حاصل کی۔

☆ ۱۹۵۸ء میں وظیفہ کے ساتھ درجہ تکمیل میں داخل ہوئے، جہاں مطالعہ کے ساتھ خالی گھنٹوں میں اساتذہ کی جگہ تدریس کی ذمہ داری بھی تھی۔

☆ ۱۹۵۸ء میں شادی ہوئی۔

☆ ۱۹۵۹ء میں درجہ تکمیل کے وظیفہ میں ایک سال کا اضافہ ہوا۔

☆ ۱۸/اپریل ۱۹۶۰ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد دینیات عارضی تقرری ہوئی۔

☆ ۱۸/مئی ۱۹۶۰ء میں دار الاقامہ خورد کے نگراں بنے۔

☆ ۸/جولائی ۱۹۶۱ء میں دار العلوم کے مستقل استاد بنے۔

☆ ۱۹۶۳ء میں والد محترم کا انتقال ہوا۔

☆ ۳/اگست ۱۹۶۳ء میں ضلع مجسٹریٹ لکھنؤ کی طرف سے رضاکارانہ طور پر سول ڈیفنس کی ٹریننگ کیلئے انتخاب ہوا۔

☆ ۲۴/ستمبر ۱۹۶۴ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ہائی اسکول کا امتحان دیا۔

☆ ۱۰، ۱۱، ۱۲/مارچ ۱۹۸۶ء جمعیت شباب اسلام لکھنؤ کی طرف سے منعقدہ "ہندوستان میں شریعت اسلامیہ" کانفرنس میں شریک ہوئے اور دار القضاء کے قیام سے متعلق تجویز مرتب کرنے والی کمیٹی میں شامل ہوئے۔

☆ مرکزی دار القضاء اتر پردیش کے قاضی کونسل کے رکن بنائے گئے۔

☆ ۱۹۸۹ء میں دار العلوم کے شیخ الحدیث جناب مولانا ضیاء الحسن صاحبؒ کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث بنے۔

☆ شوال ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۹۹۲ء میں المعہد العالی للقضاء والافتاء کے قیام کے بعد دار الافتاء کے مفتی مقرر ہوئے۔

☆ ۳۰/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ میں معاون مفتیان کرام کے فتاویٰ کی تصویب وتصحیح کی ذمہ داری ملی۔

☆ ۹/جمادی الاول ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۶/اکتوبر ۱۹۹۴ء کو دار القضاء ندوۃ العلماء میں فیصل شدہ مقدمہ کی اپیل کی سماعت کیلئے قائم سہ رکنی کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔

☆ ۲۹/مئی ۲۰۰۷ء تک تدریس اور بطور خاص درس بخاری کی خدمت انجام دیتے رہے۔

☆ ۳۰/مئی ۲۰۰۷ء مطابق ۱۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ کی صبح چہل قدمی کرتے ہوئے کسی گاڑی سے اکسیڈنٹ ہوا، آپ پہلے ٹراما سنٹر میڈیکل کالج پھر حرمین ہاسپٹل میں داخل کئے گئے۔

☆ ۳۱/مئی ۲۰۰۷ء کو ایف آئی ہاسپٹل میں آئی سی یو میں رکھے گئے اور سرکا آپریشن ہوا۔

☆ یکم جون ۲۰۰۷ء مطابق ۱۴/جمادی الاول ۱۴۲۸ھ کو ایف آئی ہاسپٹل میں تقریباً ۹ بجے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور آپ اپنے حقیقی پروردگار سے جاملے۔

☆ یکم جون ۲۰۰۷ء کو بعد نماز عصر دار العلوم ندوۃ العلماء میں جنازہ کی نماز ہوئی، اور ڈالی گنج کے قبرستان میں تدفین ہوئی، جہاں دار العلوم کے کئی اساتذہ آسودہ خاک ہیں۔

اسفار:

☆ ۱۹۹۰ء میں وزارت حج سعودی عرب کی دعوت پر حج کیا۔

☆ ۲۲/اکتوبر ۱۹۹۳ء میں اسلامک سنٹر آکسفورڈ کی دعوت پر سمرقند وبخارا کا سفر کیا اور امام بخاریؒ کی حیات وخدمات پر منعقدہ کانفرنس میں شرکت کی۔

☆ اس سفر میں مشہور محدث وفقیہ شیخ ابو الفتاح ابوغدہ سے ملاقات ورفاقت رہی۔

☆ جون ۱۹۹۴ء مطابق ۱۴۱۵ھ میں دار العلوم نور الاسلام جلپاپور نیپال کے زیر اہتمام مدرسۃ البنات کے افتتاح کے لئے نیپال تشریف لے گئے۔

☆ ۲۰۰۰ء میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی دعوت پر بھٹکل کا سفر کیا۔

☆ جون ۲۰۰۱ء مطابق ۱۴۲۲ھ میں دار العلوم نور الاسلام جلپاپور نیپال کے زیر اہتمام منعقدہ "تدریب المعلمین" پروگرام میں شریک ہوئے۔

علمی سرمایہ:

☆ آپ کے قلم سے صادر ہونے والے فتاویٰ کی تعداد: ۲۲۵ سے زائد ہے۔

☆ معاون مفتیان کرام کے جن فتاوی کی تصحیح وتصویب آپ نے فرمائی ان کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔

☆ دار القضاء میں بحیثیت قاضی آپ کے ذریعہ فیصل مقدمات کی تعداد: ۶۳ ہے

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات ۴۷ سال

☆ صحیح بخاری کی تدریس ۱۸ سال

علمی عہدے اور مناصب:

☆ دار العلوم کے شیخ الحدیث وصدر شعبۂ حدیث

☆ مرکزی دار القضاء اتر پردیش کے قاضی کونسل کے رکن

☆ دار الافتاء کے مفتی

☆ شعبہ تربیت افتاء کے مشرف

پسماندگان: اہلیہ کے علاوہ پانچ صاحبزادگان جن میں ۲/ندوی ہیں اور تین صاحبزادیاں ہیں۔

ترتیب: منور سلطان ندوی/ساجد علی ندوی

وفیات

مولانا ناصر علی ندوی رحمہ اللہ

استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء

از ..... حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

افسوس دارالعلوم ندوۃ العلماء میں گذشتہ ایک سال کے اندر تدریسی عملہ کے متعدد اہم افراد جن کو اپنے اپنے مضامین درس میں اپنے اپنے دائرہ میں خصوصیت حاصل رہی تھی ہم سے جدا ہو گئے، ان میں پہلے مولانا محمد عارف سنبھلی صاحب ہیں جو قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کے شعبہ میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے اور عقائد وعلم کلام میں بھی خصوصیت رکھتے تھے، انھوں نے گذشتہ سال یکم جون کو رحلت کی، پھر کچھ دنوں کے بعد ماسٹر عبداللطیف صاحب نے وفات پائی وہ انگریزی علوم جدیدہ کے شعبہ میں قابل قدر خدمت انجام دے رہے تھے، پھر عید کے متصلاً بعد ہی مولانا محمود الازہار صاحب نے وفات پائی جو مختلف مضامین کی تدریس کے ساتھ صحافتی اور ثقافتی کاموں میں بھی خصوصیت رکھتے تھے، اور اب تازہ تازہ واقعہ مولانا ناصر علی ندوی صاحب کا پیش آیا جو ایک حادثہ کے نتیجہ میں اس جہان فانی سے جہان باقی کی طرف کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کی تدریسی خدمات بہت قابل قدر اور اہم رہی ہیں جن کی مدت بھی طویل رہی اور جو اپنے تعلیمی کام میں بڑے لائق قدر اور اہمیت والے فرد تھے۔

انہوں نے اپنے سانحۂ وفات کے پیش آنے کے حادثہ سے ایک دن پہلے تک دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے اور تدریس وافتاء وقضاء کی ذمہ داریوں کو انجام دیا تھا علوم دینیہ کی تدریس میں اور خاص طور پر حدیث وفقہ کی تدریس میں جو خصوصیت حاصل تھی اسکی وجہ سے ان کا سانحۂ وفات دارالعلوم کے تدریسی شعبہ کا ایک بڑا خسارہ محسوس کیا گیا، وہ دارالعلوم میں شعبۂ حدیث کے سربراہ بھی تھے اور دارالقضاء میں قاضی کونسل کے رکن بھی تھے، ان کے فیصلے بڑے ذمہ دارانہ ہوتے تھے۔

مولانا ناصر علی صاحب لکھنؤ ہی کے رہنے والے تھے انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درجہ اول عربی سے علیا کے آخری درجہ تک تعلیم حاصل کی، وہ اپنے طالب علمانہ زمانہ میں ہر درجہ میں شروع سے آخر تک ممتاز رہے، اور ان کے اساتذہ ان کی صلاحیت علمی اور ان کے امتیاز کے قدرداں رہے، انہوں نے اپنا پورا تعلیمی زمانہ علمی محنت اور درسیات میں پختگی کی فکر میں گزارا، چنانچہ تعلیم مکمل کرتے ہی ان کو تدریس کے شعبہ میں لے لیا گیا، جس کے حق کو انہوں نے بحسن وخوبی ادا کیا، ان کے درس کے طلبہ عام طور پر ان کے درس سے بڑا فائدہ محسوس کرتے تھے، چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان سے استفادہ کرنے والے طلبہ اس وقت زندگی کی مختلف مشغولیتوں میں داخل ہو چکے ہیں، بڑے اچھے اور تاثر کے انداز میں ان سے استفادہ کا ذکر اپنے تعزیتی خطوط میں کر رہے ہیں۔

میری نظر میں مولانا ناصر علی صاحب کی تین خصوصیتیں قابل ذکر ہیں، ایک تو یہ کہ میں مولانا ناصر علی صاحب کو ان کی ابتدائے تعلیم سے واقف رہا ہوں، میں نے براہ راست ان کی تعلیمی محنت دیکھی کو اور ان کی استعداد کی خوبی کو دیکھا ہے، اپنے زمانہ طالب علمی میں انہوں نے تمام کتب درسیہ کو بڑی توجہ ومحنت سے پڑھا حتی کہ انکی علمی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ان کے رفقائے درس خارج وقت میں وہ نکات اور تحقیقات سمجھنے کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے جو ان کے ساتھیوں کو درجہ کے اندر سمجھ میں آنے سے رہ گئے تھے، عام طور پر وہ اپنے درجہ کے اسباق کا اپنے رفقاء درس کو مذاکرہ کراتے، نیز انہوں نے یہ بھی کیا کہ اپنے ایک بڑے استاد کو جو نابینا ہو گئے تھے ان کے لیے تیاری میں معاونت کے لیے کتاب پڑھ کر سناتے تھے، اس سب کا فائدہ ان کو خود بھی اپنی استعداد کو پختہ بنانے میں حاصل ہوتا، کہ جو کچھ وہ پڑھتے تھے وہ سمجھ لیتے اور اخذ کرنے کی پوری فکر کرتے، یہ سلسلہ انہوں نے فراغت کے بعد اپنی تدریس کے زمانہ میں بھی جاری رکھا، جو ان کا درس ہوتا تھا وہ اس میں گہرے مطالعہ کے ساتھ تیاری کرتے، ان کے اس طرح کے اشتغال علمی کا یہ بھی اثر تھا کہ وہ پڑھنے پڑھانے کے علاوہ کسی دوسری مشغولیت میں شریک نہیں ہوتے تھے، وقت پر آنا اور پڑھا کر وقت پر چلا جانا اور اس بات سے کوئی مطلب نہ رکھتے کہ کوئی دوسرا پروگرام ادارہ کے اندر انجام دیا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں اس کی بھی فکر نہیں کرتے تھے کہ انتظامیہ یا یہاں کے ذمہ داروں سے زیادہ ملاقات کریں، حتی کہ انتظامیہ کے جن افراد سے انہیں تعلق حاصل تھا ان سے بھی وہ

مہینوں ملاقات نہیں کر پاتے تھے، اس سے بعض ان اساتذہ کو جن کے وہ شاگرد رہ چکے تھے شکایت ہو جاتی، لیکن وہ کہتے کہ علمی مشغولیت کے ساتھ دوسری مشغولیتیں مشکل ہوتی ہیں، اس طرح انہوں نے اپنے کو تعلیم وتدریس کے کام کے لیے پورے طور سے یکسو کر رکھا تھا، ان کی یہی کوشش رہی کہ علمی اشتغال کی کیفیت کو برقرار رکھیں اور اس میں خلل واقع نہ ہونے دیں، اسی لیے پابندیٔ اوقات کا بھی وہ بڑا ہی خیال رکھتے۔

ان کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ اچھے اخلاق سے ملتے تھے، کسی کو ان سے کوئی اختلاف یا شکایت کا موقع نہیں پیدا ہوتا تھا، اور یہی ہر اس شخص کی شان ہوتی ہے جو علم میں پورا انہماک رکھتا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کو تدریس کا کام ملنے پر اسی علمی انہماک کی بنا پر علمی سطح پر ان کی ترقی ہوتی گئی، اور وہ فقہ میں اپنے استاد اور شعبۂ فقہ کے صدر مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی کے معاون خاص بلکہ ان کے شریک کار کی حیثیت کے ہو گئے تھے، اور دونوں کے شخصی تعلق میں بھی اسی خصوصیت کی بنا پر بڑا اضافہ ہوا، اور فقہ کے علاوہ علوم دینیہ کے دوسرے شعبوں میں بھی ان کو اچھا درک حاصل تھا، شعبۂ حدیث شریف کے جو اسباق ان کے سپرد کئے گئے انکو انہوں نے مفید انداز سے قابل فہم بنا کر پڑھایا، وہ حدیث کے شعبہ میں بخاری شریف پڑھانے کی بنا پر صدر شعبۂ حدیث (یعنی شیخ الحدیث) مقرر کئے گئے، جس کو انہوں نے اپنی وفات کے ایک روز پہلے تک بخوبی انجام دیا، اور اندازاً انہوں نے ۱۸-۱۹ سال بخاری شریف پڑھائی اور اس میں بڑی لیاقت وصلاحیت کا ثبوت دیا۔ اسی کیساتھ شعبۂ افتاء میں ان کا مقام یہ تھا کہ فتاوی تیار کرنے والے ان کی تصدیق کے بعد فتاوی کو مکمل حیثیت دیتے تھے۔

مولانا ناصر علی صاحب مرحوم کی ساری تعلیم چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں ہوئی تھی اس لیے مختلف فنون کے پڑھانے کا ندوۃ العلماء میں جو اسلوب اور منہج رکھا گیا ہے وہ اسی پر پوری طرح عامل تھے اور اسی کو صحیح قرار دیتے تھے اور اسی کو صحیح سمجھتے تھے وہ یہ کہ ہر فن کو اسی فن کے دائرہ میں رکھتے ہوئے پڑھایا اور سمجھایا جائے، نیز فقہی مسلک میں شدت کو عملی دائرہ میں رکھنا تو صحیح ہے لیکن تدریس کے موقع پر تشریح وتوضیح میں وسعت اختیار کرنا چاہئے اور مسلکی شدت سے بچنا چاہئے، نیز طلباء کو مطمئن کرنے کے لیے ان کو سوالات کا موقع دینا چاہئے اور ان کو مطمئن کرنے کے لیے جواب دینے میں کمی نہ کرنا چاہئے، اسی طرح حدیث کو حدیث کے دائرہ میں اور فقہ کو اس کے عمومی دائرہ میں رکھنا چاہئے تاکہ طلبہ بنیادی اور فروعی پہلوؤں کو الگ الگ سمجھ سکیں، مولانا ناصر علی صاحب کو اس طریقہ پر بڑا انشراح تھا اور اسی کو وہ ندوہ کی تعلیمی خصوصیت سمجھتے تھے اور ان کے اسلوب تعلیم سے طلبہ کو جو فائدہ پہونچا اس کا تذکرہ ان کے ان طلبہ کے خطوط میں ملتا ہے جو ان کی تعزیت میں آرہے ہیں، مذکورہ بالا خوبیوں کی بنا پر مولانا ناصر علی صاحب کی وفات سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعلیمی شعبہ کو بڑے خسارے سے سابقہ پڑا ہے، ان کے تدریسی اشتغال سے اور فقہ اسلامی میں افادہ وتعاون سے جو بھی فائدہ ہوا ہوگا، آخرت میں ان کو اس کا صلہ حاصل ہو رہا ہوگا، یہاں جو جگہیں خالی ہوئی ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سے پیدا ہونے والی کمی کو دور فرمائے۔

مولانا ناصر علی صاحب نے اپنے پیچھے ایک بھرا کنبہ چھوڑا، پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ پانچ صاحبزادگان اور تین صاحبزادیاں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر وہمت دے اور صحیح طریقہ پر قائم رکھے اور مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اور انکی ساری نیکیوں اور علمی خدمات کو قبول فرمائے اور مقام علیین میں جگہ دے۔ آمین

☆☆☆☆☆

دار العلوم ندوۃ العلماء کے ترجمان:

۱۔ **البعث الاسلامی** (عربی) ماہنامہ
سالانہ زرتعاون: ۲۵۰ر روپے
فی شمارہ: ۲۵ر روپے

۲۔ **الرائد** (عربی) پندرہ روزہ
سالانہ زرتعاون: ۱۰۰ر روپے
فی شمارہ: ۶ر روپے

۳۔ **تعمیر حیات** (اردو) پندرہ روزہ
سالانہ زرتعاون: ۲۰۰ر روپے
فی شمارہ: ۱۰ر روپے

۴۔ The Fragrance of East (Monthly)
سالانہ زرتعاون: ۱۰۰ر روپے
فی شمارہ: ۱۰ر روپے

۵۔ **سچار اهی** (ہندی) ماہنامہ
سالانہ زرتعاون: ۱۰۰ر روپے
فی شمارہ: ۹ر روپے

وفیات

کچھ مولانا ناصر علی صاحبؒ کے بارے میں

از ..... مفتی محمد ظہور ندوی

مولانا کی تاریخ پیدائش ۱۹۳۳ء ہے، وفات کی تاریخ یکم جون ۲۰۰۷ء بروز جمعہ ہے، اس طرح ان کی عمر مبارک ۷۴ سال ہوئی، مولانا کی جائے پیدائش خرم نگر (مضافات لکھنؤ ہے) خرم نگر میرا جانا ہوتا تھا، ایک روز رات میں میرا قیام ہوا، میں نے مولانا سے پوچھا کہ آپ کو دیہات میں خالص دودھ ملتا ہوگا اور دیسی انڈے بھی آپ لوگ کھاتے ہوں گے، مولانا نے فرمایا کہ دودھ وہی پانی ملتا ہے اور انڈے بھی فارمی ملتے ہیں، شہر ہی کا حال ہے، شہر قریب ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ بسلسلۂ ملازمت یا کام کرنے کے لیے شہر چلے جاتے ہیں، بچے بوڑھے رہ جاتے ہیں، رات کو کچھ نوجوان سنیما دیکھنے چلے جاتے ہیں، اس پر میں نے کہا کہ پھر تو آپ کا دیہات دیہات کی طبیات سے محروم ہے اور شہر کی برائیوں سے آراستہ ہے، یہ تو رہنے کی جگہ نہیں معلوم ہوتی ہے، بہرحال وطن ہونے کی وجہ سے اور اہل خاندان کی موجودگی میں مولانا کو وہاں قیام کرنا ہی تھا، وہیں رہ کر اپنی تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے مکمل کی، وہیں سے روزانہ آنا جانا ہوتا تھا، راستہ بھی اتنا خراب تھا کہ روزانہ آنا جانا ایک دشوار مرحلہ تھا، درمیان میں ایک نالہ پڑتا تھا اس میں پانی بہتا رہتا تھا، اسکو بھی دقت سے عبور کرنا پڑتا تھا، مولانا شروع سے ہی محنت اور مشقت کے عادی تھے، پھر طبیعت بھی سادگی اور قناعت پسند واقع ہوئی تھی، کوئی کچھ بھی کہہ دے مولانا برا نہیں مانتے تھے، ہنس کر ٹال دیتے تھے، ایک مرتبہ دارالاساتذہ میں استادوں کی مجلس گرم تھی، مولانا بشیر صاحب استاد دارالعلوم ندوہ نے کہا کہ بھائی مولانا ناصر علی صاحب ہی بہت اچھے ہیں، کئی بار یہی جملہ دہرایا لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ مولانا ناصر علی صاحب کیا اچھے ہیں، کچھ تو واضح کیجئے کہ کیا اچھے ہیں، مولانا بشیر صاحب نے یہ جملہ چست کیا کہ ہم تو حس پاکر پریشان ہوگئے ہیں، مولانا ناصر علی صاحب اچھے ہیں یعنی وہ ایسے بے حس ہیں کہ ان کو کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان میں حس ہی نہیں ہے، مجلس میں قہقہہ بلند ہوا، ناصر علی صاحب برداشت کرگئے، کوئی دوسرا ہوتا تو ہنگامہ مچادیتا، مولانا کی سادگی ملاحظہ کیجئے، ہمیشہ سائیکل سے آتے تھے، ایک بڑے دارالعلوم کے شیخ الحدیث تھے، مگر انہوں نے شیخ الحدیث ہوجانے پر بھی اپنی سائیکل کو خیرباد نہیں کہا کہ لوگ کیا کہیں گے، وہ اپنی روش پر قائم رہے، البتہ آخر میں صحت کی مجبوری سے ان کا لڑکا اسکوٹر سے لانے لے جانے لگا، ایک مرتبہ میں نے کہا کہ سائیکل کا میڈگاڈ ٹھیک کرالیجئے برا لگتا ہے، سائیکل بالکل ننگی لگتی ہے، فرمایا کہ اس سے چلنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، ان کے نزدیک وہی خرابی خرابی ہے جو چلنے سے مانع ہو، ہمیشہ وہ مقصد کو سامنے رکھتے تھے پڑھنا پڑھانا ان کا مقصد تھا، کہیں آنا جانا نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ جلسہ جلوس میں بھی شرکت نہیں فرماتے تھے، ایک مرتبہ میں نے کہا کہ جلسہ میں تشریف لے چلئے، کہنے لگے ہم کیسے جائیں ہم کو دارالعلوم کی طرف سے اجازت نہیں دی گئی ہے، میں نے کہا کہ فضیلتین کے طلبہ کو شرکت کی ہدایت کردی گئی ہے، جب طلبہ ہی نہیں ہوں گے تو آپ کس کو پڑھائیں گے، فرمایا کہ بہرحال مہتمم صاحب نے ہم کو آرڈر نہیں دیا ہے، تشریف نہیں لے گئے، مزاجاً بھی ان کو جلسوں سے مناسبت نہیں تھی، میں نے بھی اصرار نہیں کیا کیوں کہ مجھ میں بھی کچھ اس طرح کے جراثیم ہیں۔

مولانا ہمیشہ سے جفاکش رہے اور محنت سے کام کرنے والے رہے، ابتداء عرصہ تک انہوں نے فقہ کا درس دیا، اس لیے وہ فقہ حنفی کے زوردار ترجمان تھے، ایک طالب علم نے ان سے کہا کہ آپ بخاری کا درس دیتے ہیں آپ کو بخاری پڑھانا چاہئے نہ کہ فقہ حنفی؟ مولانا نے جواب دیا کہ امام بخاری خود ہی حنفی ہیں، میں ان کو اہل حدیث کیسے بنادوں، طلبہ مولانا سے بے تکلف تھے، ہر بات پوچھتے تھے، وہ سب باتوں کا جواب دیتے تھے، ان میں وقت بہت لگ جاتا تھا، اور کتاب کا نصاب پورا ہونا دشوار ہوجاتا تھا، فرماتے تھے خواہ نصاب پورا نہ ہو، طالب علم کے سوال کا جواب اس کو اطمینان بخش طریقہ سے مل جانا چاہئے، سوال اس کی سطح سے فروتر ہی کیوں نہ ہو، اس کا بھی جواب ہونا چاہئے، بعض استاد سوال بے جا کہہ کر آگے چلے جاتے ہیں اس کو وہ صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

(بقیہ صفحہ: ۱۴ پر)

وفیات

کم آمیز مگر دلآویز شخصیت کے مالک

مولانا ناصر علی ندویؒ

از ..... محمد خالد ندوی غازی پوری

استاذ العلماء حضرت مولانا ناصر علی صاحب ندویؒ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ان مایۂ ناز فرزندوں میں تھے جن کی تدریس اور تعلیمی خدمات کو یاد رکھا جائیگا، ۳۰ رمئی کی صبح کی نماز کی امامت کرنے کے بعد اپنے محلہ سے چہل قدمی کرتے ہوئے حسب معمول ٹیلہ والی مسجد کے پیشیں پارک تک گئے، لیکن قضاء وقدر کے فیصلہ سے کون واقف تھا کہ موصوف کا یہ آخری سفر ہوگا، پھر اپنوں میں لوٹ کر آنا نہ ہوگا، سفر آخرت کی دہلیز مسجد کے زیر سایہ ہوگی، ایک مؤمن کی شان بھی یہی ہے کہ وہ ہمہ وقت مسجد سے اپنی ذات کو ہم آہنگ اور متعلق رکھتا ہے، اس کا اللہ کے گھر سے سر رشتہ ٹوٹنے نہیں پاتا، وہ اللہ کی زمین میں سب سے بہتر و مبارک جگہ ہے، اور صاحب ایمان کے سرمایۂ ایمانی کی حفاظت بھی اللہ کے گھر سے وابستہ ہے، حضرت مولانا کا معمول صبح کو ٹہلنے کا تھا، وہ بہت محتاط تھے، ہر چیز پر نظر رکھتے تھے، کھانے پینے، ملنے جلنے، آنے جانے میں ان کا انداز منفرد تھا، وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ آپ کے پل کے پاس ٹیلہ والی مسجد کے بائیں سڑک پر صبح کے وقت موٹر سائیکل والے اور دیگر سواریاں بہت تیز چلتی ہیں، بہت احتیاط سے جانا چاہیے، لیکن کیا پتہ تھا کہ اس احتیاط کے باوجود یہ حادثۂ جانکاہ رونما ہوگا، حادثہ موٹر سائیکل سے ہوا یا ٹرک سے، یا فشار خون کے باعث برین ہیمرج ہوا اس کا فیصلہ تو اطباء کریں گے، لیکن جو کچھ ہوا وہ کرب وغم اور اندوہ الم کا باعث ہوا، دار العلوم ندوۃ العلماء میں اس سانحہ کی خبر دو گھنٹے بعد پہونچی، انہیں ٹراما سنٹر میں پولیس والوں نے داخل کیا، اس کے بعد ہی گھر والوں کو اطلاع ملی، جسم سے کافی خون نکل چکا تھا، ٹراما سنٹر سے حرمین اسپتال لے جایا گیا اور وہاں سے الیف. آئی ایک مسلم اسپتال میں انہیں منتقل کیا گیا، عیادت کرنے والوں کا ایک سیلاب تھا جو اسپتال کی طرف امڈا چلا آرہا تھا، دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ اپنے محبوب، ہر دلعزیز استاذ کیلئے جان نچھاور کرنے کیلئے تیار تھے، خون دینے کی ضرورت پیش آئی تو ایک جم غفیر نے اپنے آپ کو پیش کردیا، مولانا کو آئی. سی. او. میں رکھا گیا، جہاں جانے کی اجازت نہیں تھی، ہر فرد غم سے نڈھال، باہر کھڑا یا کرسیوں پر بیٹھا تصویر غم بنا ہوا تھا..... دعائیں عرب وعجم میں ہو رہی تھیں، جدہ سے نکلنے والے اردو نیوز نے بھی اس حادثہ کی خبر شائع کی اور دعائے صحت کی اپیل کی، مولانا کے تمام تلامذہ بے چین تھے، لیکن فیصلہ تو اللہ کا نافذ ہونے والا تھا، بالآخر ہوا وہی جو مقدر الٰہی تھا، ۳۱ رمئی، جمعرات کی شب میں کامیاب آپریشن ہوا، دماغ کی رگوں میں جمع شدہ خون صاف کیا گیا، لیکن ہوش نہیں آیا، شب اسی طرح گزری، ۱ رجون جمعہ کی صبح ۸ بجے کے قریب داعی اجل کو لبیک کہا، ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ سوگواروں کو چھوڑ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے، وہ مبارک تھے، درس وتدریس انکا مشغلہ بلکہ انکا سرمایۂ امتیاز تھا، ان کی ذات ایک انسائیکلو پیڈیا تھی، فقہ وتفسیر، حدیث، بلاغت، نحو وصرف اور ادب وفلسفہ میں انہیں کامل دستگاہ تھی، جو کہتے تھے مدلل کہتے تھے، درس وتدریس کا ملکہ خداداد تھا، ان کے استاد حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب نے ان کے رسوخ فی العلم اور طالب علمانہ زندگی میں ان کے علمی اور استدلالی مذاکرہ کا اپنے تعزیتی خطاب میں تذکرہ فرمایا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء نے جوان کے ادب کے استاد بھی تھے، تذکرہ فرمایا کہ ان کی ادب کی کاپی ایسی ہوتی کہ ایک نمبر بھی کم کرنا مشکل ہوتا، اس وقت پچاس نمبر کا پرچہ ہوا کرتا تھا میں نے ایک نمبر انتظاماً کم کیا، بعض اوقات میں نے ان کی کاپی حضرت مولانا علی میاں کو بھی دکھائی، وہ خوش ہوئے، وہ اپنے رفقاء میں بہت ممتاز تھے۔

حضرت مولانا ناصر علیؒ نے اپنی علمی زندگی کا آغاز دار العلوم ندوۃ العلماء سے کیا، وہ یہاں سے پندرہ بیس کیلومیٹر دوری پر واقع خرم نگر سے پڑھنے

کے لیے آتے تھے، آبائی پیشہ زراعت تھی، پڑھنے کے ساتھ زراعتی امور میں انہیں بڑا درک حاصل تھا، وہ کبھی باڑی کے ادنی کام بھی پڑھنے کے ساتھ کیا کرتے تھے، ان کا یہ امتیاز تھا کہ اپنا کام خود انجام دیا کرتے تھے، خرم نگر سے جب وہ سیتاپور روڈ منتقل ہوگئے، تب بھی وہ برابر اپنی سائیکل سے ندوہ آتے، گرمی، سردی، اور برسات کے زمانے میں انکے معمول میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث تھے، بخاری شریف ۱۸ سال سے پڑھا رہے تھے، وہ مسلکاً حنفی تھے، لیکن درس میں توسع کے قائل تھے، طلباء بے انتہا ان کی قدر کرتے تھے، ضابطہ کے پابند تھے، لہذا طلبہ بھی ان کے درس کی پابندی کرتے تھے، ان کے درس سے طلبہ کے اندر حدیث کا ایسا ذوق بڑھا کہ تخصص فی الحدیث کے طلباء کی تعداد زیادہ ہونے لگی، جب سے وہ دارالافتاء کے بھی ذمہ دار قرار پائے، اور تخریج فتاویٰ کا کام ان کی نگرانی میں شروع ہوا، تو اس شعبہ نے بھی ترقی کی، اور نوخیز فاضل مفتیوں کی ایک ٹیم انہوں نے تیار کردی جنہوں نے موصوف کی نگرانی میں تدریس فقہ اور فتاویٰ کے موضوع پر سہ روزہ منعقدہ پروگرام کے موقع پر شاندار علمی نمائش کا اہتمام کیا، جس کو دیکھ کر اصحاب علم وفضل نے ستائش کی، حقیقت یہ کہ اس نیک نامی میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

ان کا درس خالص علمی ہوتا تھا، حشو وزوائد سے پاک، خطیبانہ رنگ سے دور، محققانہ کے ساتھ متوسعانہ ہوتا تھا، طلباء سے ایسے گھل مل کر باتیں کرتے کہ طلبہ کو اپنے اشکالات پیش کرنے میں کوئی حجاب نہ ہوتا تھا، وہ ہر قسم کے اشکالات کے جواب ضرور دیتے تھے، البتہ اگر انہیں یہ احساس ہوتا کہ محض وقت گزاری کے لیے سوالات کیے جارہے ہیں تو ایک منفردانہ مسکراہٹ سے موضوع بدل کر آگے بڑھ جاتے تھے، وہ کم آمیز ضرور تھے لیکن دلآویز تھے، ان کا سکوت ان کے باوقار ہونے کی دلیل تھی، وہ ہر آن قلم وقرطاس زبان وبیان کے جلو میں رہتے تھے، فتاویٰ کی تخریج کا کام انہیں کے اشراف میں ہورہا تھا، ان کے جانے سے ایک عظیم خلاء پیدا ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کا نعم البدل عطا فرمائے، اور ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کی تکمیل کا ذریعہ پیدا فرمائے، انہوں نے اپنے پیچھے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی لیکن ہزاروں ان کے شاگردوں میں محقق، مصنف اور اہل قلم ہیں، جن کی علمی کدوکاوش میں انکا بھی مربیانہ حصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، بال بال مغفرت فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے آمین۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۱۲ رکا)

مولانا واقعی ایک پابند، کامل مدرس تھے، ایسی پابندی کرتے تھے کہ گھنٹہ ہوا کہ وہ درسگاہ میں آموجود ہوتے تھے، یہی نہیں بلکہ طلبہ سے بھی یہی چاہتے تھے، انہوں نے طلبہ کی حاضری کے لیے کئی تدبیریں اختیار کررکھی تھیں، ایک تو یہ کہ غیر حاضری کو ڈبل غیر حاضری میں تبدیل کردیتے تھے، کبھی جائز جرمانے کی شکل اختیار کرتے، کبھی ایسی پوچھ گچھ کرتے کہ آئندہ کے لیے طالب علم محتاط ہوجاتے، کبھی شفقت سے سمجھاتے، نرم گرم رویہ اپناتے، یہ اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے، ان کا یہ سارا محاسبہ عنداللہ مسئول ہونے کے اعتبار سے تھا۔

مولانا ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہیں کہ ان کو کبھی مالی دشواری زیادہ نہیں پیش آئی، جو بھی اللہ کے دین کی خدمت اخلاص سے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی روزی روٹی کا انتظام غیب سے فرمادیتا ہے، مولانا کے ساتھ بھی یہی ہوا، کہ ان کے پاس آبائی جائیداد میں صرف ڈھائی بیگھہ زمین تھی، اس سے کیا ہوتا تھا، ایک خاندان کے لیے اس سے کیا ہوسکتا ہے، مگر ہوا یہ کہ ایک غیر مسلم نے فارم کھولنے کے لیے اچھی قیمت دے کر وہ زمین خریدلی، مولانا کو اتنی قیمت مل گئی، کہ انھوں نے اس کے بقدر دوسری زمین خریدلی، اور شہر میں ایک بڑا مکان بنوالیا کچھ حصہ جو زمین کا باقی ماندہ تھا اس پر خاصی تعداد میں دکان بنوادی، مولانا کے تین بچے انہی دوکان پر کاروبار کرتے ہیں۔

مولانا اپنی علمی مشغولیت وفنائیت باقی رکھے ہوئے تھے، دوکان سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، اسی حال میں وہ یہاں سے رخصت ہوئے۔

☆☆☆☆☆

مولانا ناصر علی ندوی کی یاد میں

ایک مثالی معلم کی کتاب زندگی سے

”میری یادوں کے اجالوں کو سنبھالے رکھنا“

از.....امین الدین شجاع الدین

مولانا ناصر علی ندوی (جولائی ۱۹۳۳ء- یکم جون ۲۰۰۷ء) بھی اللہ کے حضور حاضر ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ایک سڑک حادثے میں انھوں نے جان، جان آفریں کے سپرد کردی، نوری مسجد سے نماز فجر کے بعد حسب معمول چہل قدمی کے لیے نکلے تھے کہ کسی سواری نے ٹکر دی اور وہ ایسے بے ہوش ہوئے کہ اس کے بعد ساری تدبیروں کے باوجود ہوش میں نہ آسکے ۳۰ رمئی کو یہ حادثہ پیش آیا، موت وزیست کی اس کشمکش میں موت غالب آگئی اور شریعت مطہرہ کے علوم کی روشنی بکھیرنے والا یہ چراغ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ یہ شہاب ثاقب رخصت ہوا لیکن اس حال میں کہ اپنے پیچھے فن حدیث وفقہ میں دسترس رکھنے والوں کی ایک کہکشاں چھوڑ گیا۔

وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں فن حدیث وفقہ کے نمایاں اور ممتاز استاد ہی نہیں تھے بلکہ اپنی صلاحیتوں وخصوصیات کی بنا پر علمی وتعلیمی انحطاط کے اس دور میں بجا طور پر انہیں نادر ونایاب معلم ومربی کہا جاسکتا ہے اور غالب کی زبان میں ع

پرانے وقتوں کے ”تھے“ یہ لوگ

کہہ کر خراج عقیدت پیش کیا جاسکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان کے حالات زندگی ہی نہیں بلکہ روزمرہ کی زندگی کے معمولات میں بھی اس قدر انضباط واستحکام اور مقصدیت تھی کہ جو اپنے آپ میں درس اور سبق رکھتی تھی..... استاذ کا ایک درس تو وہ ہوتا ہے جو وہ مسند درس سے دیتا ہے لیکن درس کی ایک قسم یہ بھی ہے جو ایک معلم اپنے کردار وعمل سے دے۔ مسند سے دیے گئے درس کی یقیناً اپنی جگہ اہمیت وافادیت ہے لیکن جب ایک معلم کے کردار وعمل میں اس قدر نمایاں جاذبیت وکشش پیدا ہوجائے تو پھر قدرت اس کردار کو زبان اور تاثیر عطا کردیتی ہے، مسند سے دیا ہوا درس شروحات کی شکل میں ضبط تحریر میں آجاتا یا فضاؤں میں تحلیل ہوجاتا ہے لیکن اس کی عملی زندگی کا اور اس کی کردار وخصوصیات کا درس دلوں پر نقش ہوجاتا اور اس راہ کی گزرگاہوں میں قندیلیں روشن کرجاتا ہے۔

صاحبان علم وقلم بجا طور پر مولانا کی تدریسی صلاحیتوں اور ان کے درس کی امتیازی خصوصیات پر قلم اٹھائیں گے لیکن راقم ان محرومین میں سے ایک ہے جس کو مولانا کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی سعادت میسر نہیں ہوئی، مولانا اسکے لیے ”دُور کا جلوہ“ رہے لیکن بعض اساتذہ جو خال خال اور شاذ ہوتے ہیں انکی زندگی خود ایک کتاب ہوتی ہے، پڑھنے والا اسکو پڑھ سکتا اور نتائج اخذ کرسکتا ہے، مولانا ناصر علی ندوی ایسے ہی شاذ ونادر اور نایاب اساتذہ میں سے ایک تھے، وہ میدان تعلیم وتعلم کے شاندار ماضی اور حال کے درمیان ایک کڑی تھے جن کو دیکھ کر علماء سلف کے علمی انہماک واستغراق، معلمین کی فرض شناسی اور مربیوں کی اصول پسندی کے حالات وواقعات کی تصدیق ہوتی اور یقین ہونے لگتا تھا کہ علماء سلف کے واقعات افسانہ نہیں بلکہ حقائق ہیں ورنہ اللہ بچائے موجودہ حالات میں اندیشہ لگا رہتا ہے کہ نئی نسلیں علماء سلف کی ایثار وقربانی، نظم وضبط، وقت کی پابندی، علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا اور درس وتدریس کو اپنا مشن ومشغلہ بنائے رکھنے جیسے واقعات وحقائق کو کہیں کہانی اور افسانہ نہ سمجھنے لگیں اس لیے کہ مبادا ان کے سامنے اس کی کوئی نظیر ہی نہ رہے۔

جہل خرد نے یہ دن دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سایے

الامان والحفیظ!! ضروری محسوس ہوتا ہے کہ تعلیم وتعلم کے اس دور انحطاط میں مولانا ناصر علی ندوی کی معلمانہ ومربیانہ امتیازی خصوصیات کو سپرد قرطاس کردیا جائے بلکہ امانت جان کر محض قرطاس کے نہیں، نئی نسلوں کے سپرد کردیا جائے کیا عجب کہ کوئی طالب علم یا معلم اسے اپنے لیے رہنما خطوط قرار دے!

ہم اور ہمارے چھوٹوں کی آنکھوں نے مولانا ناصر علی ندوی کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حدیث وفقہ کے لائق وفائق معلم اور شعبہ افتاء وقضاء کے ایک ذی علم وباوقار ذمہ دار اور روح رواں کی حیثیت سے دیکھا ہے، درس بخاری ان کے ذمے، ہدایہ کی تدریس کی ذمہ داری ان کے سر، شعبۂ شریعہ کے فضیلتین کے درجات میں ان کے دم قدم سے زندگی اور رونق، قال اللہ قال الرسول کے زمزمے، نکتہ آفرینیاں، اشکالات اور انہیں رفع کرنے کے لیے مولانا کی اپنے فنون پر گرفت، مطالعے کا عمق، دلائل کا وزن، تعلیمی فضاء کا ایک روح پرور سماں اور پھر اس پر مولانا کی معلمانہ ومشفقانہ شان کہ نامعقول سوال کو بھی معقولیت کا رنگ دیدیتے اور پوچھنے والے کو مرعوب نہیں بلکہ مطمئن

کیا کرتے..... دیکھنے والا ایک طرف عالم ومعلم کی حیثیت سے ان کے مقام ومرتبے اور شان وشکوہ کو دیکھتا لیکن دوسری طرف اس قد آور عالم ومعلم کی سادگی کا یہ عالم کہ لکھنؤ کے ایک محلہ کھدرے میں رہتے اور سائیکل پر سوار ہو کر آتے جاتے، سفید کرتے پائجامے اور سفید دوپلی ٹوپی میں ملبوس، عمر ۷۰ سے زائد لیکن خادموں اور نیازمندوں سے بے نیاز علم کا وہ علمبردار ایک سائیکل بردار کی حیثیت سے جانب منزل رواں دواں رہتا، اس میں دخل مزاج کی سادگی کو تھا، کز وفر سے بچنے کا تھا، عسرت وتنگی کو نہ تھا بلکہ عیش وعشرت کی علامتوں تک سے بھی اجتناب کرنے کا مزاج پایا تھا۔

یہاں اس کا تذکرہ بھی بے محل نہیں ہوگا کہ مولانا اپنے فن کے باکمال معلم کی منزل تک کن مرحلوں سے ہو کر گزرے، زندگی کے اصولوں میں ایک عمل، تدریج کا ہے، تدریج کا یہ عمل انسان کو اور خصوصاً معلم کو سکھاتا، بناتا، تراشتا اور پھر اسے نگینہ اور ہیرا بنا دیتا ہے، مولانا ناصر علی صاحب اس کی ایک عملی مثال تھے، بحیثیت طالب علم ان کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ندوہ میں از ابتداء تا انتہا تعلیم حاصل کی لیکن دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ اہم ہے کہ وہ بحیثیت معلم قدم بہ قدم، منزل بہ منزل، درجہ بدرجہ تدریج کے مراحل طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، دارالعلوم کے اس زمانے کے درجۂ تکمیل سے وابستہ رہ کر پڑھا بھی، پڑھایا بھی اور اس کار مفوضہ سے آگے بڑھ کر علیحدہ سے کمزور طلبہ کو ظہر تا عصر وقت بھی دیا۔

۲۷ اپریل ۱۹۵۹ء کو اس وقت کے کارگزار مہتمم مولانا ابوالعرفان خاں ندوی کے نام "دارالعلوم سے متعلق رہنے اور اس کی حسب استطاعت خدمت کرنے" کی آرزو وتمنا کے ساتھ درخواست دی، ۱۸ اپریل ۱۹۶۰ء کو مولانا کا ۶۰ روپے مشاہرہ پر باقاعدہ تقرر عمل میں آیا، مولانا ناصر علی صاحب نے محنت سے پڑھا اور حسن اتفاق سے ان باکمال اساتذہ کو پایا جو محنت ومحبت سے پڑھانا جانتے تھے، اس فہرست میں حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء اور جناب مفتی محمد ظہور ندوی اس کی زندہ مثالیں ہیں، اپنے ایک نابینا استاذ مولانا اسباط صاحب کو مطالعہ بھی کرواتے اور ندوہ سے ان کے گھر تک ان کے ساتھ ساتھ جاتے، فقہ میں مولانا اسباط صاحب کی دسترس اس قدر مسلم تھی کہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا یہ معمول بن گیا تھا کہ ندوہ میں نماز جمعہ کے بعد مولانا اسباط صاحب سے فقہی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا کرتے تھے۔ مولانا ناصر علی صاحب کی کتاب زندگی کا یہ سبق حصول علم سے غیر معمولی شغف اور اپنے محسن اساتذہ کی خدمت کی تعلیم دیتا ہے، افسوس کہ ایسی قدریں مضمحل ہو رہی ہیں، علی العموم نہ طالب علم میں طلب صادق رہی اور نہ اساتذہ میں بے لوث شفقت کا جذبہ..... غرض کہ آسمان علم کے ایسے درخشندہ وتاباں ستاروں سے مولانا ناصر علی صاحب نے اکتساب فیض کیا اس سے ان کی صلاحیت کا اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے لیکن یہ پہلو بھی یاد رہے کہ مولانا جیسے فاضل نے دارالعلوم کے مکتب میں ۸ سال تک اسماعیل میرٹھی کی اردو کتاب پڑھائی اور انہیں یہ گمان ہونے لگا کہ کہیں وہ عربی زبان نہ بھول جائیں لیکن حرف شکایت زبان پر نہ آیا، سمع وطاعت کا یہ جذبہ بھی اب داستان پارینہ بنتا جارہا ہے۔

مولانا میدان درس وتدریس میں بتدریج آگے بڑھتے گئے، علوم شرعیہ مطہرہ کا چمن ان کے سامنے تھا، گلشن گلشن پھول کھلے تھے، مولانا نے اپنے دامن میں ان پھولوں کو بھرنے اور خوشبوؤں کو اپنے دل ودماغ میں بسانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، شہد کی مکھی کی سی لگن کے ساتھ!

تصور کیجئے سن ۵۰ تا ۱۹۶۰ء میں لکھنؤ اور ندوہ کا عالم کیا رہا ہوگا، لکھنؤ کا آج کا خرم نگر ان دنوں ایک دیہات تھا اور آج کا ندوہ ان دنوں صحرا میں نخلستان کا سماں پیش کرتا ہوگا، مولانا خرم نگر سے ندوہ آیا کرتے، کبھی پیدل اور کبھی سائیکل پر، گویا 'صحرا' کو عبور کرتے ہوئے 'نخلستان' پہونچا کرتے جب کہ وہ شبلی ہوسٹل میں قیام کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے مشقت اٹھائی، تن آسانی پر سائیکل سواری کو ترجیح دی۔

ناصر علی صاحب مڈل اسکول کی تعلیم کے بعد ندوہ آئے تھے، ۱۹۵۰ء کی دہائی کا مڈل اہمیت رکھتا تھا اور یہاں تعلیم کا ایک مرحلہ پورا ہو جاتا تھا، مولانا چاہتے تو ملازمت اختیار کر لیتے لیکن قدرت کو ان سے کام لینا تھا، علم دین کے زیور سے آراستہ کرنا تھا، کریم آقا کی رحمت بھی مرحوم کے شوق علم پر جوش میں آگئی ہوگی اور ان کو رسوخ فی العلم اور تفقہ فی الدین جیسے شہپر عطا کئے جانے کا فیصلہ ہوا ہوگا تاکہ علمی فضا میں وہ پرواز کر سکیں، یہ ایثار اور جذبہ طلب صادق کی دین ہوتی ہے اور رتبۂ بلند بھی ایسوں ہی کے حصے میں آتا ہے۔

وقت کی پابندی اور انضباط کا یہ عالم کہ اپنے معمولات میں ایک منٹ بھی تقدیم وتاخیر گوارا نہ تھی، یہ پہلو اتنا نمایاں تھا کہ ضرب المثل بن گیا تھا اور طلبہ بھی پابندیٔ وقت کے خوگر ہوئے چلے جارہے تھے، انضباط کی یہ روش صرف درسگاہ ہی کی حد تک نہیں تھی بلکہ زندگی کا معمول بن گئی تھی، فرائض تو فرائض ہیں اس میں کوتاہی کیسی! لیکن چہل قدمی، قیلولہ، مطالعہ، عشاء بعد جلد سو جانے، شب بیداری وآہ سحرگاہی اور اول وقت میں باجماعت نماز فجر کی ادائیگی..... ان سب معمولات میں فرق نہ آتا تھا۔

زاہد خشک نہ تھے، خوش اطوار، خوش اخلاق، خوش گفتار اور اس کے ساتھ پاک طینت وپاکباز!! مزاج میں بذلہ سنجی پائی تھی ان کے ایک عزیز نے ان سے درخواست کی کہ دم کر دیجئے، وہ صاحب ٹہل کر آئے تھے مولانا نے جواب دیا "اتنے سارے مزارات راستے میں پڑے وہیں کہیں دم کرا لیتے پہلے دم لے لو پھر دم کی بات کرو"۔

امت کا اتحاد عزیز تھا، فتنہ وفساد سے گریز تھا، ایک مرتبہ کسی وجہ سے جوار کی مسجد میں مولانا کو امامت کرنے کا اتفاق ہوا کچھ مصلیوں کو یہ بات ناگوار ہوئی

جو مولانا کے علم میں آگئی بس مولانا نے راستہ بدل لیا اور دوسری مسجد میں جانے لگے، نہ شکوہ شکایت، نہ شور وغل، نہ بحث ومباحثہ، نہ محاذ آرائی! باجماعت نماز اجتماعیت کی مظہر اور نماز میں صف بندی اتحاد کی علامت ہے جو اس روح سے واقف ہوگا وہ ایسی صورت میں مولانا ہی کے طرز عمل کو اپنائے گا۔

مولانا نے خود کو مصروف رکھا تھا اور اس مصروفیت نے انہیں "کام سے کام" کا مزاج بخشا تھا، ندوہ میں وقت پر حاضری اور کار مفوضہ کی ادائیگی کے بعد رخصت۔ نہ مجلس آرائی نہ تذکرہ نہ تبصرہ، نہ جلسوں میں شرکت، گفتگو ہوتی بھی تو عالمانہ! ایک علاقے (کرسی) کے مکین مولانا کے عزیز وشناسا ہیں وہ چاہتے کہ مولانا پنچایتوں میں شریک ہوا کریں لیکن انہوں نے 'دیہی پنچایتی مزاج' نہ پایا تھا اس لیے ایسی مجلسوں سے گریز کرتے، البتہ ان کے علم کا فیض عامیوں تک بھی پہنچتا، مسائل، فقہ وفتاویٰ اور دیگر دینی امور میں کیا عامی اور کیا عالم سب ہی ان سے رجوع کرتے، مولانا خندہ پیشانی سے پیش آتے، وقت بے وقت آنے والوں سے بھی خوش اخلاقی سے ملتے اور ان کی علمی وتعلیمی ضرورت کو پورا کیا کرتے۔

بحیثیت معلم ان کی کتاب زندگی کا یہ سبق یاد رکھنے کا ہے کہ اگر انہوں نے طالب علمی کے زمانے میں فیض اٹھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو اپنے زمانہ معلمی میں فیض پہنچانے میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا، سکّے کے دو پہلو ہیں، ایک ہے حق لینا اور دوسرا ہے فرض ادا کرنا۔ مولانا کی زندگی کے یہ دونوں پہلو موجودہ دور کے طلبہ واساتذہ دونوں کے لیے قابل تقلید ہیں، حق لینے کا عمل اپنے آپ کو بنانے کا عمل ہے اور فرض ادا کرنے کا عمل دوسروں کو بنانے اور ان کے مستقبل کی تعمیر کی فکر کرنے کا عمل!

ندوہ سے وابستگی کے وقت مولانا نے درس کا حق ادا کرنے کا پیمان وفا باندھا تھا جسے انھوں نے پورا کر دکھایا، درس وتدریس کا مشن یکسوئی چاہتا ہے اور مولانا اسکے لیے یکسو رہے، ورنہ وہ علم وفضل کے جس مقام ومنصب پر فائز تھے، اس صورت میں ایسا ہونا کچھ عجب نہ ہوتا کہ مولانا کا ایک قدم مدرسے میں اور دوسرا قدم ایئرپورٹ پر ہوتا، مولانا کی زیر سرپرستی مدارس کا جال بچھا ہوتا لیکن دنیا نے دیکھا کہ انہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا اور اس لیے نہیں کیا کہ کار مفوضہ میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہ ہو اور یکسوئی میں فرق نہ پڑ جائے، انہیں یقین تھا کہ ایک سچا معلم گنگوتری کے مانند ہوتا ہے جس سے دریا، ندی، نالے پھوٹتے ہیں، انہوں نے علم دین وشریعت کی خدمت کو اپنا مقصود اور اپنی منزل بنائی تھی، ان کے راستے میں بھی کیا کچھ نہ آیا ہوگا جس کی کشش نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا ہوگا، سبزہ زاروں کی شادابی، دریا کی روانی، آبشاروں کا ترنم، ندیوں کی کل کل، پرندوں کے چہچہے، گل پوش وادیاں اور گل وگلزار..... یہ خادم علوم شریعت اپنی دھن کا پکا تھا اس لیے ان سب کی دلکشی ورعنائیت انہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی اور وہ راستے میں پڑنے والے جاذب نظر مقامات پر نہ کہیں ٹھہرے، نہ رکے، نہ دم لیا۔ اب جب کہ علم ودین وشریعت کا یہ خادم اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکا ہے، ان شاء اللہ رب کریم نے ان کو ان نعمتوں سے سرفراز کیا ہوگا جن کو ان آنکھوں نے نہ دیکھا، نہ کانوں نے سنا، اللہ ان کے بال بال کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات وحسنات قبول فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل دے اور ادارے کو ان کا بدل عطا فرمائے۔

یکم جون کو بعد نماز ظہر مولانا کا جنازہ ندوہ کے شفاخانے کی عمارت میں رکھا تھا، جسے مہمان خانہ کہتے ہیں، دنیا کے اس مہمان کو آج اپنی آخری منزل کے لیے یہیں سے روانہ ہونا تھا، مولانا ناصر علی صاحب کا چہرہ دیکھا تو دانتوں کی سفیدی نمایاں تھی گویا حسب معمول خندہ جبینی کے ساتھ پوچھ رہے ہوں ..... "آپ خیریت سے ہیں؟"۔ ماحول پر سکوت تھا لیکن مولانا کے چہرے پر سکون طاری تھا، دو دن زندگی اور موت کی کشمکش سے گزرے تھے لیکن آخری دیدار کے وقت محسوس ہو رہا تھا کہ بس آنکھ لگ گئی ہے ع

ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

سچ تو یہ تھا کہ یہ سچا معلم زبان حال سے دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے مانند حباب ہونے کا درس دے رہا تھا۔

پلٹ کے کہتی ہیں یہ آنکھوں کی پتلیاں دم مرگ
چلو یہاں سے کہ دنیا کا اعتبار نہیں

بعد نماز جنازہ، جنازہ اٹھا اور گنج شہیداں ڈالی گنج قبرستان کی طرف بڑھا، اس مجمع میں ان کے اعزہ واقربا، ان کے بیٹے پوتے، علماء وصلحاء اور دانشوروں کا طبقہ بھی تھا اور دیہات سے آئے ہوئے سادہ دل، سادہ لوح اہل ایمان کا بھی۔

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقت دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

عین تدفین کے وقت مولانا کے باقاعدہ سیکڑوں شاگرد اور طلبہ، ندوہ میں گزشتہ روز ہی تعطیلات کے شروع ہونے کی وجہ سے حالت سفر میں تھے اس خبر وحشت اثر کو سن کر اور اس کا تصور کر کے ان کی کیفیت کیا رہی ہوگی اور ان کے دل پر کیا کچھ نہ گزری ہوگی! اگر ایک محدث کی یہ حادثاتی موت انہیں آقا ﷺ کا یہ فرمان بھی یاد دلا رہی ہوگی "کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل" اور یہ احساس جگا رہی ہوگی کہ

میری یادوں کے اجالوں کو سنبھالے رکھنا
جانے کس موڑ پہ زندگی کی شام ہو جائے

☆☆☆☆☆

وفیات

علماء سلف کی یادگار

از ..... بلال عبدالحئی حسنی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسند حدیث کے لیے جو شخصیت دہائیوں سے باعث زینت و برکت بنی رہی اچانک اس شخصیت کے اٹھ جانے سے آج وہ مسند سونی ہے، دارالعلوم کے بام و در نصف صدی تک جس کی آواز سے گونجتے رہے آج وہ آواز خاموش ہے۔

ساٹھ سال پہلے ناصر علی کے نام سے جس طالب علم نے احاطۂ دارالعلوم میں قدم رکھا تھا دارالعلوم کی علمی و روحانی فضاؤں نے اُسے شیخ الحدیث کے منصب تک پہونچایا، تفقہ فی الدین کا وہ امتیاز عطا کیا جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اور اُن صفات کا حامل بنایا جو علماء ربانیین کا خاصہ ہیں۔

مولانا نے لکھنؤ کے ایک شریف اور متوسط گھرانہ میں آنکھیں کھولیں، طالب علمی کے زمانہ میں مولانا کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن مولانا کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، ثبات و استقامت اور صبر و عزیمت مولانا کی زندگی کے جلی عنوانات ہیں، دارالعلوم سے تقریباً چھ سات کلومیٹر دور خرم نگر میں مولانا کا گھر تھا، روز پیدل آنا، پیدل جانا، جاڑا ہو، گرمی ہو، برسات ہو، مولانا کے اساتذہ اور اس دور کے رفقاء درس گواہ ہیں کہ مولانا کو غیر حاضری گوارہ نہ تھی، درس میں بڑا انہماک ہوتا تھا، معمول یہ تھا کہ روز کا جو سبق ہوتا گھر واپسی کے دوران جس میں تقریباً ایک گھنٹہ لگتا مولانا اسکو دہراتے جاتے، اگلے سبق کے مطالعہ کا التزام تھا دارالعلوم آتے ہوئے اکثر اسباق کے مطالعہ پر دھیان ہوتا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ طالب علمی ہی کے زمانے سے مولانا کی استعداد بڑی پختہ تھی، مولانا اسکول کی تعلیم کا ایک حصہ مکمل کر کے دارالعلوم میں داخل ہوئے تھے اس لیے اپنے ساتھیوں میں بڑے تھے، مولانا کے اکثر رفقاء اسباق میں مولانا سے مدد لیتے اور علمی فائدہ اٹھاتے، گھر میں کچھ کاشت کی زمین تھی، ایسا بھی ہوتا کہ مولانا کو اس کی فکر کرنی پڑتی، ہل تک چلانے کی ضرورت پڑتی لیکن مولانا کا حال یہ تھا کہ اس دوران بھی کتاب ہاتھ میں ہوئی لیکن نہ کبھی حرف شکایت زبان پر آیا اور نہ بعد میں مولانا نے کبھی اس کا تذکرہ فرمایا، اگر مولانا کے رفقاء سے یہ باتیں معلوم نہ ہوتیں تو شاید راز ہی میں رہ جاتیں۔

سادگی مولانا کے مزاج میں داخل تھی، شکوہ شکایت کا مادہ ہی نہ تھا، حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہم سے راقم نے خود کئی مرتبہ سنا کہ مولوی ناصر علی صاحب کی امتحان کی کاپی ہمارے پاس تھی، انہوں نے بہت اچھا لکھا تھا ہم نے ۹۰ نمبر دیئے، نتیجہ نکلنے کے چند روز بعد اُن سے ملاقات ہوئی نتیجہ دریافت کیا، کہنے لگے کہ آپ کی کاپی میں فیل ہو گیا، مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوا میں نے کاپی نکلوائی تو غلطی سے اندراج میں بجائے نوے کے نو نمبر چڑھ گئے تھے، حیرت اس بات پر کہ مولانا نے تذکرہ تک نہ کیا، آج کے اس دور میں جب کہ بات بات پر طلبہ احتجاج اور بے جا شکایات میں پڑ جاتے ہیں یہ واقعہ بڑی حیرت رکھتا ہے۔

مولانا دارالعلوم سے فارغ ہوئے اور اس کے بعد ہی تدریس مولانا کے سپرد کر دی گئی، ابتدائی کتابوں سے لے کر مولانا نے بخاری شریف تک پڑھائی، لیکن کبھی کسی کتاب کا تقاضا نہیں کیا اور نہ کسی کتاب کے مل جانے پر شکوہ، مولانا خرق نظام کے قائل ہی نہ تھے، بخاری شریف پڑھاتے ہوئے کسی مناسبت سے انہوں نے فرمایا کہ میں دارالعلوم کا ملازم ہوں جو کتاب بھی دی جائے گی پڑھاؤں گا، انشاء اللہ مجھے ذرا بھی شکایت نہ ہوگی، یہ مولانا کا مزاج تھا۔

بعض چیزیں دماغ پر نقش ہو جاتی ہیں، اب بھی نگاہوں کے سامنے وہ نقشہ گھوم رہا ہے جب مولانا کا عالیہ ثالثہ میں مشکوٰۃ جلد دوم کا گھنٹہ تھا، ہمارے درجہ کو پہلی مرتبہ مولانا کی شاگردی کا شرف حاصل ہو رہا تھا، خوشی کا ایک عجیب احساس تھا، مولانا درجہ میں داخل ہوئے معلوم ہوتا تھا کہ ان کی شخصیت علم کا پہاڑ ہے، شروع میں ایک عجیب سی مرعوبیت ہوئی مگر جلد ہی مولانا کی شفقت و محبت نے علم کو پانی کر دیا، مولانا کے طریقۂ تدریس سے یہ پہلا سابقہ تھا۔

عام طور پر آج جو طریقۂ تدریس رائج ہے اس میں ساری محنت استاد ہی کر کے لاتا ہے، طلبہ عام طور پر ایک سامع کی طرح تقریر سن لیتے ہیں، درس کے دوران طلبہ کا حصہ کم سے کم ہوتا ہے بیشک طلبہ اس طریقہ کو شاید زیادہ پسند کریں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس میں طلبہ کا فائدہ کم ہے، دارالعلوم میں درس حدیث کا جو طریقہ شروع میں رائج تھا وہ اس سے قدرے مختلف تھا، اس میں اساتذہ طلبہ سے محنت کراتے تھے، مراجع نکلواتے تھے اور درس میں پوری طرح شریک کرتے تھے، اس سے طلبہ میں ایک خاص علم و ذوق پیدا ہوتا تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درس حدیث کی تفصیلات پرانے چراغ میں بیان کی ہیں، اس سے پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے، ہمارے مولانا کے یہاں بھی کچھ اسی سے ملتا جلتا انداز تھا، مولانا طلبہ کو درس میں پوری طرح شریک کرتے تھے، ان سے مناقشہ کرتے، پورے انشراح کے ساتھ سوالات کے جوابات دیتے اور جب تک مطمئن نہ کر لیتے سبق آگے نہ بڑھتا، کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی روز بحث ہوتی، بحث کے دوران مولانا بالکل مساویانہ برتاؤ فرماتے، دلائل دیتے اور دلائل کے طالب ہوتے، محض اس بنا پر کہ استاذ کی طرف سے کوئی بات کہی جا رہی ہے اس کا بلا دلیل کے مان لینا مولانا کو گوارہ نہ تھا، اسی بے تکلفی میں کبھی کبھی طلبہ کی طرف سے کچھ تجاوز ہو جاتا تو کبھی بھی پیشانی پر شکن نہ آتی، کبھی طالب علم معافی چاہتا تو مولانا خود معذرت کرنے لگتے۔

دوران درس مولانا کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ تمام طلبہ مولانا کے لیے برابر ہوتے، کسی کے ساتھ مولانا امتیازی سلوک پسند نہ فرماتے، یقیناً اُن طلبہ کی طرف قلبی میلان ہونا طبعی ہے جو ذہین اور محنت کرنے والے ہوتے لیکن مولانا نے کبھی درجہ میں اسکا اظہار نہیں فرمایا، بعض مرتبہ کوئی غبی طالب علم کوئی ایسا سوال کر لیتا کہ دوسرے طلبہ ہنس پڑتے تو مولانا ناراض ہوتے اور بڑے اطمینان سے اس سوال کا بھی جواب دیتے، مولانا کا مسلک یہ تھا کہ تمام طلبہ برابر توجہ کے مستحق ہیں۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بڑی ذہانت اور قوت استدلال عطا فرمائی تھی ہم ساتھیوں میں زمانۂ طالب علمی میں یہ گفتگو ہوتی تھی کہ جس طرح امام مالکؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر یہ چاہیں تو پتھر کے ستون کو سونے کا ستون ثابت کر دیں، شاید مولانا بھی ایسی ہی قوت استدلال رکھتے ہیں۔

مولانا کا ایک بڑا امتیاز ان کی وہ فقہی بصیرت ہے جس کا اعتراف معاصر علماء نے کیا ہے، لیکن چونکہ مولانا نے خالص تدریس کو اپنا مشغلہ بنایا، نہ تصنیف و تالیف سے اشتغال کیا اور نہ تقریر و خطابت سے، اس لیے مولانا کی اس صلاحیت کا اظہار بھی بہت کم ہو سکا تاہم مولانا کے وہ فتاویٰ جو سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، اور مولانا کے وہ فیصلے جو وہ دارالقضاء میں بحیثیت قاضی شریعت کے کیا کرتے تھے اس کی دلیل ہیں۔

مولانا نے فقہ کی اکثر کتابیں پڑھائیں، ہدایہ ثالث شاید بیس مرتبہ پڑھائی ہوگی، ہمارے درجہ کو آخری مرتبہ مولانا سے ہدایہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، مولانا پڑھاتے کیا تھے پلاتے تھے، آج تک اس درس کی حلاوت دل گھولتی ہے۔

حدیث کے درس کے لیے مولانا بڑا وسیع مطالعہ فرماتے جس کا سب سے زیادہ اندازہ ہم لوگوں کو بخاری شریف میں ہوا، بعض مرتبہ مختلف مراجع سے اقتباسات بھی خود تحریر فرما کر لاتے اور حوالہ دیتے، مغازی کے ابواب مولانا نے بڑے مزے لے لے کر پڑھائے، اس سے مولانا کے تاریخی ذوق کا اندازہ ہوا جس سے پہلے سابقہ نہیں پڑا تھا۔

درجہ کی پابندی اور وقت پر حاضری مولانا کا وہ امتیاز ہے کہ کم لوگ اس میں مولانا کے شریک ہوں گے، معمولی امراض کی مولانا کے یہاں کوئی حیثیت نہ تھی، بعض مرتبہ شدید تکلیف کے باوجود بھی درس کا ناغہ نہ فرماتے، ایک مرتبہ کا واقعہ خوب یاد ہے کہ مولانا درجہ تشریف لائے چہرے پر ورم محسوس ہوا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ داڑھ میں شدید تکلیف ہے، ہم لوگوں نے لاکھ عرض کیا کہ مولانا سبق موقوف کر دیں، لیکن مولانا نے اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا: اجی ایسا بھی کیا درد ہے کہ سبق نہ ہو سکے اور اس دن بھی ناغہ نہیں فرمایا، پورے پورے سال میں شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو کہ مولانا سبق کا ناغہ فرماتے ہوں، وہ بھی شدید عذر کی بنا پر، تقریبات میں جانے کا مولانا نے کبھی معمول نہیں بنایا، قریب سے قریب تر کسی عزیز کی شادی ہو لیکن سبق کے ناغہ کا سوال ہی نہیں ہوتا تھا، سیمینار ہوں، کانفرنس ہوں، کوئی خاص پروگرام ہو، مولانا کے یہاں سبق سے بڑھ کر اہم کوئی چیز نہیں تھی، دیر حاضری مولانا غیر حاضری سے بڑا جرم سمجھتے تھے، فرماتے تھے کہ اس میں غفلت کو دخل ہے، طلبہ کی غیر حاضری یا دیر حاضری بھی مولانا کو سخت ناپسند تھی، اس پر مولانا شدید گرفت فرماتے، معمولی بخار یا سر درد، کھانسی یا نزلہ مولانا کے یہاں اعذار شمار نہیں ہوتے تھے۔

شروع میں مولانا کا گھر خرم نگر میں تھا اس کا فاصلہ دارالعلوم سے خاصا ہے، طالب علمی کے زمانے میں اور تدریس کے ابتدائی دور میں پیدل ہی آنا جانا ہوتا تھا، پھر مولانا نے کھدرے میں گھر لے لیا اور ایک سائیکل خریدی، اسی سے دارالعلوم تشریف لاتے پوری زندگی یہی معمول رہا، جب مولانا شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے تب بھی مولانا نے معمول نہیں بدلا، شاگردوں نے بار بار عرض کیا کہ بائک (موٹر سائیکل) پر کوئی طالب علم لے آیا کرے لیکن مولانا نے سختی سے انکار کر دیا، آخری ایک دو سالوں میں جب کہ ضعف ہو گیا تھا، اور عمر بھی ستر سے تجاوز کر چکی تھی مولانا کے صاحبزادے جن کو اللہ نے وسعت عطا فرمائی، موٹر سائیکل پر مولانا کو لانے لے جانے لگے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے جس زہد و استغناء کے ساتھ زندگی گزاری اس سے اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، نہ کسی کے در پر گئے نہ کسی سے لینا دینا رکھا، دارالعلوم کی طرف سے جو کام سپرد ہوا وہ بڑی ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا، نہ کسی منصب کی خواہش کی نہ صلے کی تمنا کی، معلوم ہوتا تھا کہ نفس مولانا کے یہاں کوئی چیز ہی نہیں، عزت کی خواہش ہر ایک کے اندر چھپی ہوتی ہے لیکن مولانا اس سے بھی بالکل بے پرواہ تھے۔

ہدایا قبول کرنے میں مولانا محتاط تھے، طلباء سے ہدایا قبول کرنے کا معمول نہیں تھا، فرماتے تھے کہ ہدیہ قبول کرنے کے بعد ایک طرح کا جھکاؤ ہو جاتا ہے، جو مساویانہ سلوک کرنے میں مانع ہو سکتا ہے، اس لیے میں طلبہ سے ہدیہ قبول نہیں کرتا، البتہ فراغت کے بعد اگر کوئی خلوص سے ملتا اور ہدیہ پیش کرتا تو مولانا کچھ تردد کے بعد قبول فرما لیتے۔

سفر سے بھی مولانا کو بالکل مناسبت نہیں تھی بعض مرتبہ بڑے اہم سیمیناروں میں خصوصی مہمان کی حیثیت سے مدعو کیے گئے لیکن عذر فرما دیا، البتہ حج کے دو سفر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ کیے، پہلا سفر خود اپنے خرچ پر فرمایا اور فریضہ ادا کیا، اخفاء اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ کم لوگوں کو پہلے سے اس کا علم ہو سکا، دوسرا سفر حج مولانا خادم حرمین شریفین کی دعوت پر کیا، اس کے علاوہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خواہش پر مولانا نے بخارا و سمرقند کا سفر کیا۔

حضرت مولاناؒ سے مولانا کا قلبی تعلق تھا، چونکہ مولانا کا مزاج کم آمیزی کا تھا اس لیے حضرت مولاناؒ کی مجلس میں حاضری کی نوبت کم ہی آتی تھی، تاہم رائے بریلی مولانا کئی مرتبہ تشریف لے گئے، رمضان المبارک میں بھی ایک یا دو مرتبہ حاضری ہوئی، حضرت مولاناؒ نے بھی بہت اہتمام فرمایا، مولانا کے تعلق کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے حضرت مولانا سے بخاری شریف کا ایک حصہ پڑھا تھا، یہ وہ دور تھا کہ جب مولانا شاہ حلیم عطا صاحب کی وفات ہو گئی تھی، اور اُن کی جگہ مختلف اساتذہ بخاری شریف کے مختلف ابواب پڑھا رہے تھے۔

مولانا محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم بھی مولانا کے مخصوص اساتذہ میں سے تھے، ابتداء دور سے اخیر تک انہوں نے مولانا سے کسب فیض کیا، مولانا سے راقم نے خود سنا کہ مولوی ناصر کا درجہ بڑھتا رہا اور میرے گھٹتے بڑھتے رہے، اس لیے مسلسل کئی سال اُن کو مجھ سے پڑھنے کی نوبت آئی۔

سال گذشتہ مولانا کا مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کے ساتھ حج کا پروگرام بنا تھا مگر بعض قانونی دشواریوں کی بنا پر سفر نہ ہو سکا، اس موقع پر مولانا کا شوق دیدنی تھا،

اپنے مزاج کے خلاف بار بار تشریف لاتے، صورت حال دریافت فرماتے اور اپنے طور پر جو ہوسکتا اس کے لیے کوشش فرماتے، خود مولانا کے پاسپورٹ کا مسئلہ تھا وہ مولانا نے سفرِ حج کے شوق میں کسی طرح حاصل کیا، اپنے طور پر مولانا نے پوری کوشش کرڈالی یقیناً اس کے نتیجہ میں مولانا کو حج کا ثواب ملا ہوگا، ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

ادھر کئی سالوں سے دارالافتاء کی نگرانی مولانا ہی سے متعلق تھی، مولانا خاص طور پر افتاء کے طلبہ کی بڑی ہمت افزائی فرماتے، غلطی پر ایسی گرفت نہ فرماتے جس سے ہمت ٹوٹ جائے بلکہ حوصلہ درست ہوتا اس کی تصویب فرماتے اور جہاں غلطی ہوتی اس کی مراجعت کا حکم دیتے۔

مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قوتِ عمل عطا فرمائی تھی، بخاری شریف کی تدریس کے علاوہ جس کے مسلسل تین گھنٹہ ہوتے تھے، حدیث اور اصول فقہ کی کتابوں کا درس دیتے، فتاویٰ کی تصویب فرماتے، دارالقضاء میں بھی وقت دیتے، کسی کام کے لیے مولانا کے یہاں عذر نہیں تھا، دارالعلوم کی طرف سے جو کام بھی سپرد ہوتا بڑی خوش دلی کے ساتھ انجام دیتے، دوسروں کو شاید احساس ہوتا ہو کہ مولانا پر بڑا بوجھ ہے لیکن خود مولانا نے کبھی اس کا احساس ہونے نہیں دیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا نے جس سادگی، احتیاط، اور نظم وضبط کے ساتھ زندگی گزاری وہ علماء سلف کی یاد تازہ کرتی ہے، دن میں کسی وقت بھی آرام کا معمول نہیں تھا، ضعف کے زمانہ میں ظہر کے کھانے کے بعد شاید چند منٹ کے لیے آرام فرماتے ہوں، دن کا پورا وقت تدریس، دارالعلوم کی دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی یا مطالعہ میں صرف ہوتا، عشاء بعد فوراً آرام کے لیے لیٹ جاتے، اس وقت گفتگو، یا مطالعہ کے بھی مولانا قائل نہیں تھے، فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کام کے لیے اور رات آرام کے لیے بنائی ہے۔

خاص علمی مشغولیات اور زہد وتقویٰ کی زندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بہت کھلا ہوا ذہن دیا تھا، عالم اسلام کے حالات پر نظر رکھتے، مسلمانوں کے مسائل کو سمجھتے اور ان کا حل بھی پیش فرماتے، پیش آمدہ مشکلات پر ان کا دل دکھتا تھا، اور وہ بے چین ہوجاتے تھے، اس کے ساتھ مولانا کو سیاسی بصیرت بھی حاصل تھی یہ باتیں شاید بہت لوگوں کے لیے نئی ہوں لیکن مولانا کے جو چاہنے والے مولانا کے گھر حاضر ہوتے رہتے تھے ان کو اس کا خوب تجربہ تھا۔

مولانا بہت متوازن اور جامع صفات کے حامل تھے، اگر کچھ کمی کہی جاسکتی ہے تو یہی کہ وہ مقرر نہ تھے، انہوں نے تصانیف یادگار نہیں چھوڑیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے تدریس کے لیے یکسو ہوکر جس طرح نسلیں تیار کردیں ان کے لیے یہی صدقہ جاریہ ہے جس کا تسلسل انشاء اللہ قیامت تک رہے گا، آج فتنوں کے دور میں اچھے معلمین کا کسی ادارہ کو مل جانا اس کے لیے سب سے بڑی کامیابی کی ضمانت ہے شاید مولانا کی اسی یکسوئی کی وجہ سے ان کو بہت کم پہچانا جاسکا، عوامی حلقوں میں شاید ان کے جاننے والے بہت کم ہوں گے، لیکن انہوں نے افراد تیار کرکے امت کے لیے غذا فراہم کی، اور اس ذات عالی کے پاس اپنی جگہ بنائی جس کی رضا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اس سرمائے کو لے کر مولانا رخصت ہوچکے، ﴿یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾ (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف خوش خوش لوٹ جا، میرے خاص بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا) مولانا کے لیے اللہ نے شہادت مقدر کی تھی، منگل کے دن تک اسباق پڑھائے، اپنی ذمہ داریاں پوری کیں، بدھ کو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا فرمائی بلکہ اس دن مولانا ہی نے امامت فرمائی، اس کے بعد کچھ دیر ٹہلنے کا معمول تھا، اس میں بھی زبان ذکر الٰہی سے تر رہتی، اسی حالت میں کسی تیز رفتار گاڑی نے پیچھے سے ٹکر ماری، مولانا اسی وقت بیہوش ہوگئے، دو دن اسی بے ہوشی میں گزرے، اللہ نے مقدر کیا تھا کہ اپنی ملاقات کے لیے اس دن کا انتخاب ہو جس کو سید الایام کہا گیا ہے، جمعہ کا دن طلوع ہونے کے بعد جان جانِ آفریں کے سپرد کردی، ان تین دنوں میں مولانا کے لیے مولانا کے چاہنے والوں نے رو رو کر دعائیں کیں، یقیناً یہ دعائیں بھی ان کے لیے ذخیرہ آخرت بنی ہوں گی۔

وفات کی خبر فوراً ہی پھیل گئی، مولانا چونکہ ہمیشہ صحت مند رہے، اخیر میں بھی ضعف کے علاوہ کوئی مہلک بیماری کبھی نہیں رہی لوگوں کو خبر کا یقین نہیں آتا تھا، خاص طور پر جن لوگوں کو اچانک حادثۂ وفات کی خبر ملی، ان کا ذہن اس کو فوراً قبول کرنے کو تیار نہ ہوتا تھا اس اندوہناک حادثہ کا سب پر بڑا اثر ہوا لیکن مولانا کے چاہنے والے شاگردوں پر یہ جدائی بہت شاق گزری، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے بڑی محبوبیت عطا فرمائی تھی، وہ صحیح معنی میں ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے رحمٰن نے (دلوں میں) محبت ڈال دی ہے) کے مصداق تھے، دارالعلوم میں تعطیل کے باوجود جنازہ میں ہزاروں کا مجمع تھا، چہرہ پر وہ شادابی صاف نظر آرہی تھی جس کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی خدمت کرنے والوں کو دی ہے۔

ہمارے درجہ کو مولانا کی شاگردی کا جتنا طویل عرصہ تک شرف حاصل ہوا شاید کسی دوسرے درجہ کو نہ ہوا ہو، ہم لوگوں نے مشکوٰۃ شریف سے لے کر بخاری شریف تک حدیث کی اکثر کتابیں مولانا ہی سے پڑھیں، مولانا ہمارے محب بھی تھے اور محبوب بھی، مولانا کو بھی اس طویل تعلق کا خیال تھا، حاضری کے موقع پر اکثر فرماتے کہ تم لوگوں کو ہم نے جتنا پڑھایا ہے کم درجوں کو پڑھایا ہوگا۔

درجہ میں درس کے دوران یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ مولانا کو اپنے طلبہ سے کتنی محبت ہے، الگ ملاقات کے موقع پر اکثر اس کا اظہار ہوجاتا، خاص طور پر مولانا کے در دولت پر حاضری ہوتی تو سراپا شفقت بن جاتے، بے تکلف گفتگو فرماتے، طرح طرح خاطر کرتے، رخصت ہوتے وقت جب تک ہم لوگ نگاہوں سے اوجھل نہ ہوجاتے دیکھتے رہتے، مولانا کے اس اچانک حادثۂ وفات سے دل خون کے آنسو رو رہا ہے، مگر ایمان والے کا کام یہ ہے کہ وہ راضی برضا رہے، خود مولانا کی زندگی جس صبر وعزیمت کے ساتھ گزری وہ بھی یہی تلقین کرتی ہے، مگر یہ ایسا خلا ہے جو شاید مدتوں پُر نہ ہوسکے۔

☆☆☆☆☆

وفیات

شیخ الحدیث مولانا ناصر علی ندویؒ

شخصیت کے چند اہم پہلو

از ..... مسعود حسن حسنی ندوی

بروز بدھ میں درجہ خصوصی ثانی میں تھا کہ اچانک مولانا مستقیم صاحب نے یہ جانکاہ اطلاع دی کہ مولانا ناصر علی صاحب کا اکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ حرمین ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں، اس دلدوز خبر نے دل پر جو اثر ڈالا اس نے اعصاب کو جھنجھوڑ دیا، چند ہی منٹ کے بعد میں مولوی صدیق بھٹکلی کے ہمراہ حرمین ہاسپٹل روانہ ہوگیا، وہاں مولانا کو جس حالت میں دیکھا اس سے ایکسیڈنٹ کی سنگینی کا علم ہوا، معلوم کرنے پر مولاناؒ کے بھائی جناب نصیر صاحب نے (جن کی مولانا نے اپنے بیٹے کی طرح پرورش کی تھی) جن کی آنکھوں میں آنسو تھے مولاناؒ کے ایکسیڈنٹ کی تفصیل بتائی کہ مولانا کا معمول بعد نماز فجر تقریباً ایک گھنٹہ ٹہلنے کا تھا، معمولات میں ادنیٰ فرق بھی واقع نہ ہونا مولانا کے اصول زندگی میں شامل تھا، یہاں انہوں نے بتایا کہ آج اپنے معمول کے مطابق مولاناؒ فجر کی نماز کے بعد ٹہلنے نکلے، لیکن ساڑھے چھ بجے کے قریب ایک فون مولانا کے گھر آیا جس کو مولاناؒ کی اہلیہ نے اٹھایا، انہوں نے وہ فون اپنے بیٹے عبدالملک کو سننے کو دیا جس پر پولیس نے یہ اطلاع دی کہ مولانا کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ میڈیکل کالج کے ٹراما سنٹر میں ہیں، مولانا کے بیٹے ٹراما سنٹر گئے اور وہاں ڈاکٹروں کی بے توجہی سے دلبرداشتہ ہوکر مولانا کو حرمین ہاسپٹل لے آئے، حرمین ہاسپٹل میں ڈاکٹروں نے سٹی اسکین کروانے کے بعد آپریشن سے معذرت کردی جس کی وجہ سے مولاناؒ کو ندوہ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ سے بہت زیادہ تعلق رکھنے والے جناب سراج صاحب کے اسپتال F.I. Hospital میں داخل کرایا گیا، سراج صاحب کی توجہ سے اسپتال والوں نے اچھا معاملہ کیا، ۳۰ر مئی بروز بدھ کو رات تقریباً ۱۱ بجے مولانا کے دماغ کا آپریشن کیا گیا، لیکن آپریشن کے بعد ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کیا، جمعرات کو طبیعت میں بہتری کے آثار نمایاں نہیں ہوئے، بلکہ ڈاکٹر سے بات کرنے پر ڈاکٹر نے کہا کہ قلب چل رہا ہے باقی تمام اعضاء جواب دے چکے ہیں، جمعہ کی صبح تقریباً ۹ ساڑھے ۹ بجے قلب نے بھی جواب دے دیا اور یہ اللہ کا بندہ جس نے اپنی پوری زندگی قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کرنے میں گزاری اور تقریباً ۱۸ر سال صحیح بخاری کے درس وتدریس میں گزارے اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔

مولاناؒ نے اپنی پوری زندگی اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ درس وتدریس میں انہماک میں گزاری، مولانا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کے دین کی سربلندی کی فکر میں گزرا، اور جو ذمہ داری ان کو سونپی گئی اس میں ادنیٰ خیانت بھی مولانا کو برداشت نہیں تھی، متعدد بار مولانا کے پاس وفود آئے، لوگ آئے کہ آپ ہمارے یہاں تشریف لے چلیں اور کچھ وقت ہمارے پاس گزاریں، لیکن مولانا نے انکار محض اس لیے کیا کہ ہمارے جانے سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ ہم مقرر نہیں کہ تقریر کریں، اور دوسرے یہ کہ ہمارے یہاں کے طلبہ کو نقصان ہوگا، جب ہم آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو آپ کے پیسے برباد کرنا درست نہیں، لہٰذا آپ کسی ایسے کو لے جائیے جس سے آپ کو اور آپ کے علاقہ والوں کو فائدہ پہونچے۔

مولانا کا معمول یہ بھی تھا کہ مولانا نہ دعوتوں میں شرکت کرتے تھے اور نہ جلسہ جلوسوں میں تاکہ اپنا پورا وقت بخاری کے مطالعہ میں صرف کریں تاکہ طلبہ کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔

دارالعلوم میں وقت پر حاضر ہونے کے بعد مولاناؒ کا سب سے پہلا معمول فضیلت دوم میں جاکر صحیح البخاری کا درس دینا تھا، مسلسل ایک گھنٹہ چالیس منٹ تک پوری تندہی کے ساتھ درس بخاری میں مشغول رہتے، اس کے بعد دارالافتاء تشریف لاتے، اور ان تمام استفتاءات پر نظر ڈالتے جو معاونین دارالافتاء لکھ کر لاتے تھے، متعدد جوابات پر نہایت جامع نوٹ چڑھاتے اور تصویب کرتے، اگر وقت بچتا تو مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، اساتذۂ دارالعلوم بہت سے مسائل اور کتابوں کے پڑھانے کے سلسلہ میں کسی قسم کے اشکالات میں مبتلا ہوتے تو مولانا سے رجوع کرتے، خاص طور سے ہدایہ، شرح وقایہ وقدوری یا حدیث کے مسائل میں تو مولانا ایسا شافی جواب دیتے کہ پورا مسئلہ واضح ہوجاتا اور اشکالات رفع ہوجاتے، دارالافتاء میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ تشریف رکھتے، اس دوران مولانا عارف صاحبؒ جن کا ایک سال پہلے انتقال ہوا، اور مولانا عتیق صاحب جن کو مولانا سے انتہائی درجہ کا تعلق تھا آکر مولانا سے تبادلۂ خیال کرتے، پھر مولانا پانچواں گھنٹہ جو بخاری شریف ثانی کا تھا پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے، درجہ میں مولانا طلبہ سے نہایت محبت سے پیش آتے، ہر سوالات کا جواب دینا مولاناؒ کا معمول تھا اور اس میں کسی ادنیٰ قسم کی بھی ناگواری کا احساس نہیں ہوتا تھا، احادیث کی جرح وتعدیل، فقہی

استنباطات، احادیث سے مسائل کے استخراج میں مولانا کو ملکہ حاصل تھا، جس طرح فقہی مسائل کا احادیث سے استخراج کرتے تھے وہ مولانا ہی کا حق تھا، جس کو انہوں نے بھرپور طریقہ سے ادا کیا، مولاناؒ کی ہر مسئلہ میں ایک رائے ہوتی تھی، اس وقت تک مولاناؒ کی رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی جب تک مولانا کی رائے کے خلاف کوئی واضح دلیل نہ ہو، لیکن اگر مولاناؒ کی رائے کے خلاف کوئی حدیث یا واضح دلیل پیش کردی جاتی تو فوراً مولانا اپنے قول سے رجوع کرلیتے، اور اس میں ادنیٰ تردد بھی مولانا کو نہیں ہوتا تھا۔

طلبہ کا مولاناؒ سے تعلق صرف شاگرد واستاد کا نہیں تھا بلکہ مولانا کا مرتبہ ان کے نزدیک ایک شفیق باپ کا تھا جو اپنے بچہ کی تربیت انتہائی محبت کے ساتھ کرتا ہے، یہی وجہ تھی کہ ہر طالب علم مولانا کا عاشق تھا، جب کہ غیر حاضری پر مولاناؒ طالب علم کی سخت تکیر کرتے تھے اور ایسی گرفت فرماتے تھے کہ طالب علم کے سامنے آئندہ مولاناؒ کے گھنٹہ میں حاضری کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا تھا، پانچویں گھنٹہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا پھر دارالافتاء تشریف لاتے اور بقیہ بچے ہوئے استفتاءات پر تصویب فرماتے پھر گھر تشریف لے جاتے، گھر میں مولانا کا معمول کھانے کے بعد آرام کرنے کا تھا، پھر عصر سے پہلے اٹھ کر مطالعہ کرتے، مغرب بعد کا وقت مولانا مطالعہ میں صرف کرتے عشاء بعد جلدی سوجاتے اور تقریباً رات کے تین ساڑھے تین بجے اٹھ کر تہجد میں اور قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے، پھر فجر کی نماز کے بعد ٹہل کر گھر واپس آتے اور ناشتہ کرکے دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لاتے۔

مولاناؒ کا ذہن ومزاج قدماء کے ذہن ومزاج سے ہم آہنگ تھا لیکن جدید تقاضوں کے مطابق زندگی کو ہم آہنگ کرنے کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے، بلکہ 'خذ ماصفا ودع ما کدر' کے اصول پر عمل کرتے تھے، اسی بنیاد پر مولانا موجودہ دور کے فتنوں اور سازشوں سے نہ صرف یہ کہ آگاہ تھے بلکہ گہری، مبصرانہ نگاہ رکھتے تھے، عالمی سیاست پر مولانا کی گہری نگاہ تھی، یہودیوں اور عیسائیوں کی سازشوں سے نہ صرف یہ کہ آگاہ تھے بلکہ ان کی مکارانہ وعیارانہ چالوں سے پوری طرح واقف تھے، اسی بنیاد پر ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی تباہی کے بارے میں مولانا کا خیال تھا کہ یہ تباہی نہیں ہے بلکہ یہودیوں کی مکارانہ سازش کا ایک حصہ ہے۔

فتویٰ دینے میں نہایت محتاط تھے، اور اس سلسلہ میں ندوۃ العلماء کے مفاد کو مدنظر رکھتے تھے کہ کوئی غلط بات فتویٰ کے توسط سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عوام میں نہ جائے جس سے فتنہ پردازوں کو فتنوں کو ہوا دینے کا موقع مل سکے۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک بار ایک صاحب نے مولانا سے کہا کہ ہم اپنی کچھ جائداد وغیرہ وقف کرنا چاہتے ہیں، مولانا نے ان کو ندوۃ العلماء کے شعبہ نظامت میں بھیج دیا، مولانا دارالافتاء کا کام اعزازی طور پر کرتے تھے، بعض لوگوں نے کہا کہ مولانا دارالعلوم ہر کام پر معاوضہ دیتا ہے، آپ بھی اگر معاوضہ طلب کریں تو آپ کو معاوضہ دیا جائے گا، لیکن مولانا نے معاوضہ لینے کے مقابلہ اعزازی کام کرنے کو ترجیح دی اور پورے انہماک سے یہ کام انجام دیا۔

مولانا بہت ہی اصولی آدمی تھے، اصول کے معاملہ میں انہوں نے کبھی کوئی سودا نہیں کیا، حتی کہ اپنے قریبی عزیز ترین بھائی کو پاس نہیں کیا، مولانا کے بھائی جناب نصیر صاحب بتاتے ہیں کہ میں ندوہ میں داخل تھا، لیکن مولانا نے دوبار ہم کو فیل کیا اس کی بنیاد پر ہماری تعلیم مکمل نہ ہوسکی، کیونکہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ یکساں معاملہ فرماتے تھے۔

طالب علموں کو قرآن کی تلاوت کرنے پر ابھارتے تھے، اپنے لواحقین کے ساتھ نہایت ملنساری سے ملتے تھے، سخاوت میں بہت ہی ممتاز تھے، مولانا کے گھر جانے پر مولانا بہت ہی خاطر تواضع کرتے اور بہت ہی اکرام کا معاملہ کرتے، زندگی کے ایک ایک لمحہ کا صحیح استعمال کرتے، وقت کو ضائع کرنے کو گناہ سمجھتے تھے۔

تنقید واعتراض سے پرہیز مولانا کا معمول تھا، اپنے اساتذہ کے قابل اعتماد شاگرد تھے، اور شاگردوں کے قابل اعتماد استاد، انتظامیہ سے ٹکراؤ کو ناپسند کرتے تھے، انتظامیہ کا اپنے کو پابند رکھتے، مولانا کو جو کتاب جس وقت دی گئی کبھی بھی اس میں ناگواری کا اظہار نہیں کیا اور کبھی کسی کتاب پڑھانے کی خواہش نہیں کی، مولانا کہتے تھے کہ کوئی بھی کتاب دی جائے اس کو محنت کرکے پڑھانا چاہئے، کتاب کے لینے میں انکار نہیں کرنا چاہئے۔

مولانا کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کبھی بھی نہ ندوہ سے فائدہ اٹھایا اور نہ کسی طالب علم سے کسی قسم کا فائدہ اٹھایا جب کہ مولانا اگر چاہتے تو متعدد فائدہ حاصل کرسکتے تھے، مولانا کے بیٹوں کی کنسٹرکشن میٹریل کی دوکان تھی، لیکن مولانا نے کبھی مفتی ظہور صاحب (جو شعبہ تعمیر کے ذمہ دار ہیں اور مولانا ناصر صاحب کو بہت ہی مانتے تھے) سے یہ نہیں کہا کہ ہمارے یہاں سے میٹریل منگوایئے، کیونکہ مولانا کا مزاج ندوہ کو فائدہ پہونچانے کا تھا، فائدہ اٹھانے کا نہیں، اسی طرح مولانا نے کبھی اپنے ذاتی مقصد کے لیے دارالافتاء کا فون بھی استعمال نہیں کیا۔

ابھی تین سال پہلے تک مولانا کا معمول سائیکل سے تشریف لانے کا تھا، مولانا سے کہا گیا کہ آپ دارالعلوم سے ذکر کریں کہ آپ کو گاڑی لایا لے جایا کرے، لیکن مولانا نے اس سے بھی انکار کردیا اور سائیکل سے آنے کو ترجیح دی، قریبی عرصہ سے مولانا کے بیٹے عبدالنافع جو دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے، وہ مولانا کو لاتے لے جاتے تھے۔

شروع میں مولانا دارالقضاء سے بھی منسلک رہے، اس کے لیے باقاعدہ وہ چکمنڈی دارالقضاء فیصلہ

کے لیے اعزازاً تشریف لے جاتے تھے، تقریباً مولانا نے ۶۲ معاملات میں قضاء شرعی کا کام انجام دیا۔

تقریباً ۱۰ ہزار مسائل پر تصویب فرمائی، تصویب میں مولانا کا انداز ایک مربی کا سا ہوتا تھا جو افراد سازی کا کام انجام دیتا ہے، جس طریقہ سے مولانا نے فقہ کے موضوع پر افراد تیار کئے اور ان کی تربیت کی اس نے دارالافتاء کو ایک منظم شکل میں مفتی ظہور صاحب کی سرپرستی میں پیش کیا، اسی طریقہ پر تقریباً ۲۰۰ سے اوپر فقہی مقالات میں مولانا نے اشراف کا کام انجام دیا، ۲۵۰ راستفتاءات کے جوابات دیئے۔

مولانا قدیم خیالات کے حامل تھے اور اصولی بھی، انتظامیہ سے ٹکراؤ کو ناپسند کرتے تھے اور اپنے بزرگوں کا اور اساتذہ کا بہت ہی پاس ولحاظ کرتے تھے۔ مفتی ظہور صاحب اور مولانا محبوب الرحمٰن صاحب ازہری جو مولانا کے استاد تھے مولانا ان دونوں کی بہت ہی عزت کرتے تھے اور اساتذہ کی عزت کو سرمایہ حیات سمجھتے تھے، لیکن علمی اختلافات میں یہ عزت مانع نہیں ہوتی تھی، اور بھرپور طریقہ سے اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے ان کو انتہا درجہ کا تعلق تھا، اکثر مولانا کی خیریت دریافت کرتے رہتے تھے، ابھی ایک دو ماہ پہلے مولانا نے اپنے ایک بیٹے مولوی عبدالرافع ندوی اور ایک بیٹی کی شادی کی، بیٹی کا نکاح مولانا حضرت مولانا رابع حسنی مدظلہ سے پڑھوانا چاہتے تھے، مولانا سفر پر تھے جس کی وجہ سے مولانا سے ملاقات نہ ہوسکی لیکن ہم سے کہا کہ مسعود تم حضرت سے کہدینا، میں نے حضرت سے ذکر کیا، حضرت نے کہا ہم انشاء اللہ پڑھائیں گے، پھر جمعرات کو مولانا کا ہمارے پاس فون آیا کہ حضرت ہیں؟ میں نے کہا کہ حضرت رائے بریلی تشریف لے گئے ہیں اور حضرت نے کہا ہے کہ میں آؤں گا، بہت خوش ہوئے، شادی کے دن بار بار یہ کہتے کہ حضرت ہمارے استاد ہیں اور ان کو بہت ہم سے تعلق ہے وہ نکاح ضرور پڑھائیں گے، یہ تھا وہ تعلق اپنے اساتذہ سے جو آج ہم لوگوں کے لیے نمونہ واسوہ ہے۔

مولانا کے جو فقہی نقطہائے نظر ہیں اس مختصر مضمون میں اس کو ذکر نہیں کیا جاسکتا ہے، بہرحال مولانا قدیم بھی تھے اور جدید کے رمز شناس بھی، مولاناؒ کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا اس کا پُر ہونا آسان نہیں، اللہ تعالیٰ مولانا کا نعم البدل عطا فرمائے، اور ان کی مغفرت فرمائے، ان کی قبر کو نور سے بھردے، اور ہم سب کو ان کی جیسی وقت کی قدر کرنے والوں میں سے بنائے۔

☆☆☆☆☆

انتہائی رعایت ۶۰ فیصد

صرف مدارس اور طلبہ کی انجمن کے لیے

خصوصی خریداری اسکیم

مدارس اسلامیہ عربیہ میں تعلیمی سال اختتام پذیر ہے، اسی دوران مدارس کی طرف سے علمی، ثقافتی پروگرام طلبہ کے درمیان منعقد کرائے جاتے ہیں۔ اور طلبہ اپنی محنتوں، صلاحیتوں کے مطابق انعام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ انعامات کتابوں کی صورت میں بھی دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا

مدارس اسلامیہ عربیہ کے ذمہ داران اور طلبہ سے گزارش ہے کہ

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کی مطبوعات مندرجہ ذیل طریقوں کی رعایت کرتے ہوئے انتہائی رعایت پر حاصل کریں۔

۱۔ ۲۰ر جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ تک مطلق تحریری آرڈر بذریعہ ڈاک/فیکس روانہ کریں۔

۲۔ ۲۵ر جمادی الثانی ۱۴۲۸ھ تک -/Rs. 500 بذریعہ منی آرڈر/ڈرافٹ بطور پیشگی ارسال کریں۔

فہرست مطبوعات خصوصی طور پر ارسال کریں۔

نوٹ:
پتہ مکمل اور صاف تحریر فرمائیں۔
فون نمبر بھی لکھیں۔

رابطہ کے لیے

Academy of Islamic Research & Publications
Post Box No. 119, Nadwatul Ulama, Lucknow.
Ph.: 0522-2741539, Fax : 2740806, Mob.: 9335223411

وفیات

فقیہ مولانا ناصر علی ندویؒ

تأثرات - ایک شاگرد کے قلم سے

از ..... انیس احمد ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

۱۹۳۳ء کا سال ہے۔ لکھنؤ کے علاقے خرم نگر میں ایک کسان کے گھر لڑکے کی پیدائش ہوتی ہے، گھر کے لوگوں نے اس مولود کا نام ناصر علی رکھا، کسان کا گھرانا کوئی خاص پس منظر کا حامل نہیں، نہ علمی نسبت اور مناسبت اور نہ ہی روحانی نسبت اور مناسبت۔ شیر خواری اور طفولیت سے آگے بڑھے، تعلیم وتربیت کا دور آیا، مقدر نے پہلے اسکول پھر ندوۃ العلماء کی طرف رخ کرادیا، اب دارالعلوم ندوۃ العلماء درسگاہ ہے، تربیت گاہ ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کا یہ دور نامور علماء سے آباد ہے، اپنے اپنے میدان کے پختہ کار علماء درس وتدریس کی مسند سجائے ہوئے ہیں۔ مولانا ناصر علی اس بہار سے خوب خوب مستفید ہوئے، مولانا ناصر علی کی دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی سے علمی نسبت اور مناسبت کا رشتہ قائم ہوا، دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی ان کی روحانی نسبت اور مناسبت کا ذریعہ بنا۔

اخلاص کا نہایت بلند معیار مولانا ناصر علی ندویؒ نے قائم کیا، طالب علمی کے دور میں انہماک اور یکسوئی، تدریس کے دور میں انہماک اور یکسوئی عجیب مستقل مزاجی، معیار کی بلندی، گھر سے دارالعلوم ندوۃ العلماء روزانہ آنا، پیدل آنا، آج سے ساٹھ برس قبل کے زمانے میں بلاناغہ پڑھنے آنا، یہ پابندی مولانا ناصر علی ندویؒ کی خاص امتیازی وصف بن گئی اور اسی نے ناصر علی کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کا مولانا ناصر علی بنادیا، فقیہ زمانہ بنادیا، شیخ الحدیث بنادیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ التحصیل ہوئے، تدریسی خدمات سے وابستہ ہوئے، مکتب میں پڑھایا، ثانوی درجات پڑھائے، اپنی غیر معمولی محنت، لگن، یکسوئی اور علمی میدان میں ترقی کرتے ہوئے وہ شیخ الحدیث کے منصب پر سرفراز ہوئے، فقہ وحدیث کے شارح مولانا ناصر علی ندوی، ندوی بنے، ندوی رہے، ندوہ ہی سے رخصت ہوئے۔

مولاناؒ کے اوصاف میں جو چیزیں نمایاں ہیں وہ سادگی، پابندی، سنجیدگی اور خاموشی ہیں، مولانا علمی گفتگو میں ناقابل شکست صفت کے حامل تھے، سیاسی گفتگو مزاح کے طور پر کرتے تھے، مولانا مثبت فکر کے حامل تھے، منفی طریقے کو باقاعدہ ناپسند کرتے تھے، مولانا تقریر وتالیف سے مناسبت نہیں رکھتے تھے، اس عدم مناسبت میں شہرت سے گریز کرنے والا مزاج پنہاں تھا۔

مولانا علم حدیث، فن حدیث سے اور رجال پر حد درجہ گہری نظر کے حامل تھے اور فقہ اسلامی کے نادرۂ روزگار شخصیت تھے، فقہ اسلامی میں فقہ حنفی کے تو مولانا فطری طور پر ترجمان تھے، عقلی، نظری دلائل کے منبع تھے، قرآنی، نبوی دلائل سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اور آہنی دیوار کی طرح پیش کیا کرتے تھے۔

مولانا اصول کے سخت، طبیعت کے نرم، زبان کے شگفتہ تھے، اب تو یہی کہنا ہے کہ ایک مرد آہن فقہ وحدیث کے میدان کا، فانی زندگی سے غیر فانی زندگی میں منتقل ہوا، اور رخصت کرنے والے بھی ملنے والے ہیں، مولانا ایک حادثہ کے بعد مؤرخہ ۱۴ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ مطابق یکم جون ۲۰۰۷ء جمعہ کے روز اس دنیا سے رخصت ہوئے، اللہ تعالیٰ خاک کو جنت بنائے، جسد کو نور بنائے، علم نافع کی دولت کو صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

مولانا ناصر علی ندویؒ حادثۂ ارتحال کے وقت ندوۃ العلماء کے شعبہ دارالافتا میں فتاویٰ کی تصویب کا کام کرتے تھے اور دارالعلوم میں صحیح البخاری کا درس دیتے تھے اس درس کا شرف ان کو ۱۹۸۹ء سے حاصل تھا، عام طور پر مدارس اسلامیہ عربیہ میں بخاری کا درس دینے والے کو شیخ الحدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس طور پر مولانا دارالعلوم کے شیخ الحدیث تھے۔

مولانا ناصر علی ندویؒ نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے بخاری پروجکٹ کے تاسیسی جلسہ میں جو بخارا میں منعقد ہوا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے ساتھ شرکت فرمائی، یہ سعادت صحیح بخاری کی تدریس کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

مولانا کی نصف صدی کی تدریس نے ایک طویل فہرست شاگردوں کی قائم کی ہے، ان شاگردوں میں چھوٹے بڑے سب شامل ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام شاگردوں کو مولانا کے حق میں دعائے مغفرت کی توفیق سے سرفراز کرے۔

☆☆☆☆☆

رپورٹ

شیخ الحدیث کے انتقال پر دارالعلوم میں تعزیتی جلسہ

(ادارہ)

۲ رجون ۲۰۰۷ء بروز سنیچر دفتر معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ناصر علی ندویؒ کی وفات حسرت آیات پر جلسہ تعزیت کا انعقاد ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی زیر صدارت ہوا، حافظ مولوی محمد ساجد ندوی کی تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ میری ان سے شروع سے واقفیت رہی ہے، ہر درجہ میں ان کا نتیجہ امتیازی رہا، وہ برابر اول ہی آتے رہے، ان کی محنت کا یہ حال تھا کہ وہ درسی کتابوں کے کیڑے بن گئے تھے، محنت سے پڑھ کر آتے پھر ساتھیوں کا مذاکرہ کراتے، ان کا زمانہ طالبعلمی مشہور عالم دین مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ کا زمانہ تدریس بھی تھا، چنانچہ مولانا محمد منظور صاحبؒ ان کی صلاحیتوں کے بڑے قائل تھے، ندوۃ العلماء میں ۵۷۔۵۸ء سے مدرس ہوئے اور لگ بھگ ان کا زمانہ تدریس پچاس برس رہا، وہ ایک اہم محاذ سنبھالے ہوئے تھے، اسلئے ان کے جانے سے اس میدان میں بڑا خلاء پیدا ہوا ہے، ان کی تدریسی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ ان کی تدریسی صلاحیت نے طلبہ کو ان کا گرویدہ بنالیا تھا، وہ زمانہ طالبعلمی میں بھی سب پر فائق رہے، اور جب پڑھانا شروع کیا تو اس میں بھی وہ فائق رہے، انہوں نے تمام کاموں سے تدریس کیلئے اپنے کو یکسو کرلیا تھا، وہ اپنا سارا وقت مطالعہ اور علمی مصروفیات میں صرف کرتے، اسی وجہ سے وہ تقریبات اور ثقافتی پروگراموں میں شرکت سے گریز کرتے تھے، کہ ان کے اصل میدان میں یہ چیزیں رکاوٹ نہ پیدا کریں، ان کی وفات پر ملک وبیرون ملک سے مسلسل تعزیتی فون آرہے ہیں جس سے ان کی مقبولیت اور صلاحیتوں کا اعتراف سامنے آرہا ہے۔

جلسہ میں مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے بھی شرکت کی اور انکی خدمات کو سراہا اور دارالعلوم کے تئیں ان کی تعلیمی یکسوئی اور علم وعمل کی جامعیت کی تعریف کی، دارالعلوم کے ایک ممتاز استاد مولانا محمد اسباط صاحب سے وہ بہت قریب رہے تھے، چونکہ وہ نابینا تھے اسلئے مولانا ناصر علی صاحب ان کو مطالعہ کراتے، اپنے کو ان کیلئے کھپا دیا تھا، تدریس اور لڑکوں کو تیار کرنے پر انہوں نے پوری توجہ مرکوز کی تھی، ان کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوگیا ہے وہ آسانی سے پُر نہیں ہوگا، ایک مدرس کی صفات کے وہ بھرپور حامل تھے، اسی وجہ سے انکو طلبہ کی نظروں میں بلند مقام حاصل تھا، وقت کی پابندی اور پوری تیاری کے ساتھ تدریس کا فریضہ انجام دینے کی وجہ سے ان کو لوگ احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا علم حدیث اور فقہ میں پایہ بہت بلند تھا، دارالقضاء میں جو فیصلے کرتے تھے اس میں وہ ممتاز حیثیت کے مالک تھے، فیصلے کرنے میں وہ بحث وتحقیق سے کام لیتے، متواضع تھے، جبکہ علم کے ساتھ تواضع کا بھی ہونا کمال کی بات ہے۔

مفتی دارالعلوم جناب مولانا محمد ظہور ندوی صاحب نے جو مولانا مرحوم کے استاد بھی رہے ہیں اپنے دلی جذبات پیش کرتے ہوئے کہا کہ میرا اور مولانا مرحوم کا تعلق استاد وشاگردی کا ہے، خرم نگر سے وہ پڑھنے آتے تھے، وہ طلبہ میں ممتاز اور فائق تھے، ساتھیوں کو مذاکرہ کراتے، بڑے محنتی اور جفاکش تھے، تعلیم کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ندوہ کے راستہ میں ایک نہر پڑتی تھی اسے عبور کرنا ہوتا تھا، ایسا بھی ہوتا کہ سائیکل نہر میں اتار کر لانی پڑی، اور پانی گردن تک ہوتا، ہم لوگ ان سے دارالاقامہ میں رہنے کو کہتے مگر وہ اپنے معمول کو برقرار رکھنے پر مصر رہے، ملنے جلنے کا مزاج نہیں تھا، کام سے کام رکھتے، اس مزاج کا بڑا فائدہ ہوا کہ وہ پختہ کار مدرس ہوئے، ان کی وفات سے تدریسی میدان میں ندوہ کیلئے بڑا خلاء پیدا ہوگیا ہے، یہ ندوہ کیلئے بڑا حادثہ ہے، انہوں نے مدرسی کا حق ادا کردیا، تدریسی یکسوئی میں وہ منفرد تھے اور ایک قابل تقلید مدرس تھے، ان کا دوسرا وصف سادگی تھا، ندوۃ العلماء کے وہ شیخ الحدیث ہوئے تب بھی مزاج میں سادگی باقی رہی، تعلیمی اوقات کی بڑی پابندی کرتے، ان کا حادثہ ہمارے لئے خاندانی حادثہ کی طرح ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی خصوصیات اور کمالات سے نوازا تھا۔

صدر شعبۂ تفسیر مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ میرے نزدیک وہ انضباط اوقات میں بڑے فائق تھے، وقت کی پابندی ایسی تھی کہ گھڑی ملائی جائے، بڑے سادہ مزاج اور متواضع تھے، اصول پسندی ان کی خصوصیت تھی، چنانچہ وہ دعوتوں وغیرہ میں بھی شریک نہیں ہوتے۔

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری استاد دارالعلوم نے نظامت کے فرائض انجام دیے، اور شیخ الحدیث مولانا ناصر علی صاحبؒ کی تدریسی خصوصیات پر روشنی بھی ڈالی اور کہا کہ وہ درس اور اس کے متعلقات کو پلا دیتے تھے، سوالوں کا تشفی بخش جواب دیتے، صحیح بخاری پڑھانی شروع کی تو ایسا لگا کہ برسوں سے بخاری شریف کا درس دیتے آرہے ہیں، تقریباً ۱۹ سال تک بخاری شریف کا درس دیا، ان کا دوسرا اہم موضوع فقہ واصول فقہ اور افتاء وقضاء کا میدان تھا۔

جلسہ میں معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد واضح رشید ندوی، معتمد مال پروفیسر وصی احمد صدیقی، مولانا شمس الحق ندوی، مولانا ہارون اندوری، مولانا علاء الدین ندوی اور دارالقضاء والافتاء دارالعلوم کے کارکنان نے بھی شرکت کی۔

مولانا کی وفات سے اب تک ہندوستان کے مختلف شہروں میں تعزیتی جلسوں کی اطلاع مسلسل آرہی ہے، اس کے علاوہ بیرون ممالک میں انڈونیشیا، ملیشیا، تھائیلنڈ، سعودی عرب، کویت، قطر، متحدہ عرب امارات اور مصر جیسے ملکوں میں مقیم مولانا کے شاگردوں نے تعزیتی جلسوں اور ایصال ثواب کے ذریعہ مولانا کی شخصیت اور خدمات کو یاد کیا۔

☆☆☆☆☆

تہذیب نو

جنسی بے راہ روی کی تباہ کاریاں- ایڈز ایک عذاب الٰہی

از ..... سید جمشید احمد ندوی

دنیا میں فاشی وبدکاری، بے حیائی وعریانیت اور جنسی بے راہ روی کی کثرت کا برا نتیجہ قدرت کی جانب سے ایڈز جیسی مہلک وخطرناک بیماری کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، اس بیماری بلاخیز کی خبر ہمیں آج سے چودہ سو سال پیشتر ہی دی گئی تھی، حضرت انس بن مالک سے صحیح مسلم میں روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ" قرب قیامت کے علامات میں سے ایک کثرت ظہور زنا ہے" جن بے حیائیوں کے خوف ناک انجام کی خبر حضور پاک ﷺ کی احادیث سے ملتی ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس دور میں جب بے حیائیاں عام ہوجائیں گی، لوگ اعلانیہ وفخریہ بے حیائیوں کا اظہار کریں گے اور ان پر عمل کریں گے، تو سابقہ بدکار قوموں کی طرح اللہ تعالیٰ آنے والی بے حیا قوم پر بھی اپنا عذاب بیماریوں کی شکل میں مسلط فرمائے گا۔

چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ" ہر وہ قوم جس میں فاشی، عریانیت، ظاہر ہو اور وہ فخریہ اس کا اعلان کرے (جیسا کہ آج کل (Print Media) پرنٹ میڈیا اور (Electronic Media) الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ ہورہا ہے) اور اس پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں ایک قسم کا طاعون اور تکلیف دہ بیماری ظاہر کریگا جو کبھی ان کے باپ دادوں نے نہیں دیکھی ہوگی" (ابن ماجہ) اس دور کی یہ جاں لیوا مہلک بیماری "ایڈز" کیا درحقیقت ایسی ہی بیماری نہیں ہے کہ گزشتہ پندرہ سو سال پہلے کے لوگوں نے تو کیا اس دور کے لوگوں نے بھی آج سے کوئی پچیس سال قبل کبھی ایڈز کی خبر تک نہیں سنی تھی، اللہ اللہ! چودہ سو سال پہلے کی پیشگوئیاں آج کس طرح ایڈز اور محرکات ایڈز پر حرف بحرف صادق آرہی ہیں، درحقیقت ایڈز کا موذی مرض "ایک قسم کا طاعون" بلکہ عذاب الٰہی ہے، جو آج یورپ اور دیگر عیسائی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے، جہاں لوگ کثرت سے بے حیائی اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہوئے ہیں، چونکہ یورپ، امریکہ اور افریقی عیسائی خطوں میں مسلم ملکوں کی بہ نسبت بے حیائی وعریانیت زیادہ ہے، اس لئے ایڈز کی وبا بھی پہلے مغربی ملکوں میں، بعد میں افریقہ کی عیسائی آبادیوں میں پھیلی ہے، چنانچہ اس کی شروعات امریکہ میں ہوئی، ۱۹۹۱ء تک مسلم ملک یمن میں ایک کیس بھی ریکارڈ نہیں ہوا، عرب میں ۸/اور شام اور بحرین میں کوئی کیس منظر عام پر نہیں آیا، ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی رپورٹ کے مطابق دسمبر ۱۹۹۵ء تک دنیا کے ۱۹۳/ممالک میں ۱۲،۹۱،۸۱۰/لوگ ایڈز کی بیماری میں مبتلا ہوئے تھے، اور صرف ایک سال جنوری ۱۹۹۵ء تا دسمبر ۱۹۹۵ء ۲۶ فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا تھا، اور ان لوگوں کی تعداد جو ایچ آئی وی وائرس اپنے جسموں میں لئے گھوم رہے تھے، لیکن مکمل طور پر ایڈز کے شکنجہ میں گرفتار نہیں تھے، ۱۹۹۵ء تک ایک کروڑ انہتر لاکھ تھی، ان میں بھی امریکہ سرفہرست تھا، ۱۹۸۱ء میں جب ایڈز کا موذی مرض کا انکشاف ہوا تو کثرت سے یورپ اور امریکہ سے ایسے مضامین منظر عام پر آئے جن میں صاف لکھا گیا تھا کہ اس مرض کا علاج صرف اور صرف یہ ہے کہ انسان بے حیائیوں سے باز آجائے، مگر سالہا سال سے جنسی بے راہ روی میں مبتلا قوم، بے حیائی کا خوگر، فاسد المزاج کیلئے عصمت وپاکدامنی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھی، دوسری طرف جب اہل یورپ کے دانشوروں نے دیکھا کہ ایڈز کی بیماری ان کے جنس زدہ، بے لگام معاشرہ میں بہت تیزی سے پھیل رہی ہے، تو ایڈز کے خطرہ کی بندش کے لئے پھر کہا گیا کہ بیشک بے حیائی کرو، زنا میں مصروف رہو، ہم جنس پرستی کا شکار رہو، عریانیت وفحاشی کو عام کرو لیکن ایسے مواقع پر احتیاطی تدابیر اختیار کرلیا کرو، بیشک ترقی یافتہ ممالک میں ایڈز کے احتیاطی تدابیر کا شعور دنیا میں سب سے زیادہ ہے، لیکن اس شعور اور احتیاطی تدابیر کے باوجود یہ قومیں بے حیائی اور بدکاری کو ترک نہ کرسکیں جس کی وجہ سے مغربی ملکوں میں اور دنیا کے عیسائی خطوں میں ایڈز میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا ہے، کیونکہ قدرت نے ایڈز کے مرض کو بے حیا انسانوں کیلئے سزا کے طور پر مقدر کیا ہے، ایسی احتیاطی تدابیر ان ممالک میں بے کار ثابت ہورہی ہیں، کیونکہ جب تک دل میں خدا کا خوف نہ ہو اور اللہ پر ایمان نہ ہو اور آخرت کا یقین نہ ہو اس وقت تک گناہوں سے بچنا اور شیطانی اعمال سے اجتناب کرنا ممکن نہیں، اس دور میں کثرت شراب نوشی اور منشیات کے سیلاب نے بھی بے حیائیوں کی نشوونما میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے بے حیائی، فاشی، عریانیت اور گناہوں سے صرف روکا ہی نہیں بلکہ تمام برائیوں کی جڑیں کاٹ دی ہے، اور انکی تمام راہیں مسدود کردی ہے، تاکہ" نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" لیکن چونکہ یہ گلوبلائزیشن کا زمانہ ہے، پوری دنیا ایک صحن کے مانند ہوگئی ہے، اور مادہ پرست، کور چشم مغربی تہذیب اپنا نیٹ ورک پوری دنیا میں قائم کرچکی ہے، اور ہر ہر قدم پر انسان کو گناہ کی دعوت دیتی ہے، جنسی بے راہ روی پر ابھارتی ہے، اور قدم قدم پر ایمان سوز، اخلاق سوز، حیا سوز مناظر ہیں، کھلے بندوں برائیاں ہورہی ہیں، مرد وزن کے فرق کو ختم کردیا گیا ہے، مغرب نے تو ان کو اپنی تہذیب کا حصہ قرار دیدیا ہے، چنانچہ یہ تہذیبی آزادی ہے جو ایڈز کی مسموم ہواؤں کو اپنے ساتھ لائی ہے، لیکن آزاد عورت کا جسم قابل رحم ہے جو ہوا پرستوں کا کھلونا بن کے رہ گیا ہے، جب چاہیں اس کو استعمال کریں، جتنا چاہیں اس کو کپڑے پہنائیں، جتنا چاہیں اس کو ننگا کردیں، جہاں چاہیں اس کے جسم کی نمائش کریں، ذرا غور کیجئے کہ ہوا پرست اہل مغرب نے کس مکاری کے ساتھ عورتوں کو اپنے ہوا وہوس کا نشانہ بنایا ہے، پہلے تو یہ کہہ کر عورتوں کو گھر سے نکالا کہ گھر میں رہنا عورتوں کی فرسودگی اور بوسیدگی کی علامت ہے، پھر

گھر سے نکال کر مارکٹوں، آفسوں، کارخانوں، قہوہ خانوں، ہوٹلوں، جہازوں، بلکہ دنیا کے تمام میدانوں کی زینت بنا دیا ہے، اور اب اس کی حیا کی چادر تار تار اور پیرہن داغدار ہوچکا ہے، چونکہ مغربی تہذیب میں حیا کی کوئی قدر وقیمت نہیں، کیونکہ حیا ان کی نظر میں کوئی چیز نہیں، لیکن اسلام نے حیا، عفت، پاک دامنی پر بڑا زور دیا ہے، حیا کو ایمان قرار دیا ہے، حیا نہ صرف عورتوں کا بلکہ مردوں کا بھی زیور ہے، حیا ہی انسان کو ہر بدی، بداحتیاطی، بدکاری سے بچاتی ہے، جیسا کہ سورۂ نور میں حیا کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے، ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ..... لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۂ النور: ۳۰-۳۱) آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، (چنانچہ جسم کے جن حصوں پر نظر کرنا سرے سے ناجائز ہے انہیں تو دیکھیں ہی نہیں اور جنہیں دیکھنا جائز ہے انہیں بھی خواہش نفس کے ساتھ نہ دیکھیں) اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے حق میں زیادہ صفائی کی بات ہے، بیشک اللہ کو اس کی سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں، اور آپ کہہ دیجئے ایمان والیوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں، اور اپنا سنگار ظاہر نہ ہونے دیں (خواہ جسم کا ہو یا متعلقات جسم کا) مگر ہاں اس میں سے جو کھلا ہی رہتا ہے، (عموماً وعادتاً) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں (کہ سر اور سینہ دو مقام خاص طور پر زینت کے ہیں، ان کے ڈھانپنے کا اور زیادہ اہتمام رکھیں،) اور اپنی زینت نہ ظاہر ہونے دیں (کسی شخص پر بھی) مگر ہاں اپنے شوہر پر، اور یا اپنے باپ پر اور یا اپنے بیٹوں پر اور یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر اور یا اپنے بھائیوں پر اور یا اپنے بھائیوں کے لڑکوں پر اور یا اپنی بہنوں کے لڑکوں پر اور یا اپنی (ہم مذہب) عورتوں پر اور یا اپنی باندیوں پر اور یا ان مردوں پر جو خدمتی ہوں (اور عورت کی طرف) انہیں ذرا توجہ بھی نہ ہو اور ان لڑکوں پر جو ابھی عورتوں کی پردہ کی بات سے واقف نہیں ہوئے ہیں اور عورتیں اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہوجائے اور تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ (تاکہ ان احکام میں جو کوتاہیاں ہوگئی ہوں وہ معاف ہوں) اللہ اللہ! عفت وطہارت کا کس درجہ اہتمام ہماری شریعت میں ہے، اور فتنہ کے کیسے کیسے دروازوں اور چھپے ہوئے سوراخوں کو ہماری شریعت نے بند کیا ہے، ایک طرف یہ احتیاطیں ہیں، پابندیاں ہیں، دوسری طرف گانے اور طرح طرح کے سریلے باجوں کے ساتھ گانے ہی کی نہیں بلکہ رقص اور مرد وعورت کے مشترک رقص کی آزادیاں ہیں، دونوں زندگیوں کے نتائج بالکل ظاہر ہوکر سامنے آرہے ہیں۔

چنانچہ اسلامی احکام کی پابندیوں سے اعراض اور اسکی تعلیمات کو نظر انداز کردینے کا نتیجہ ہے کہ جنسی بے راہ روی کا سیلاب صرف امریکہ، یورپ تک محدود نہیں رہا بلکہ یورپین ملکوں کے بعد افریقن ممالک اور پھر ہندوستان کو اپنی زد میں لاکر مسلمان ملکوں کو بھی اپنی لپٹ میں لے لیا ہے، ایشیائی ممالک میں حجاب میں رہنے والی بیشتر خواتین حجاب سے آزاد ہوچکی ہیں، اور اپنے بے حجاب حسن، اپنی نیم برہنہ زیبائشوں کی نمائش برسر عام کررہی ہیں، اور مردوں کے جذبات کو برانگیختہ کررہی ہیں، جنسی بے راہ روی کے مواقع فراہم کررہی ہیں۔

بے حیائی، فحش کاری، زنا کاری اور جنسی بے راہ روی کو فروغ دینے والے ملکوں میں ہمارا ملک ہندوستان سرفہرست ہے، ہندوستان میں ایڈز بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، چنانچہ آج سے کوئی بارہ سال قبل دلی یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ کے ایک سروے سے معلوم ہوا کہ ان تعلیمی اداروں کے ۲۵ سے ۳۳ فیصد طلبہ وطالبات شادی سے قبل ہی جنسی تعلقات قائم کرچکے ہوتے ہیں، اسی طرح ۱۹۸۴ء ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف کمرشیل سائنس نے ایک سروے کرکے یہ انکشاف کیا کہ ملک کے ۱۷/صوبوں میں بیس لاکھ چھیاسی ہزار طوائفیں تھیں ۱۹۹۴ء میں یہ تعداد بڑھ ۳۳/لاکھ ۸۸/ہزار ۳۰۰/سو ہوچکی تھی، جب کہ ان سے پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد اکاون لاکھ انچاس ہزار پانچ سو ہے، ہندوستان میں مجموعی طور پر ۵۷/لاکھ افراد ایڈز سے متاثر ہیں، اور (۱۱۰۰۰) افراد ہر دن اس بیماری کا شکار ہورہے ہیں، مدراس ہائی کورٹ کے جسٹس جے چندرن نے یہ اطلاع دی ہے۔

نامکل میں ایڈز بیداری پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے جس میں مدراس ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اے پی شاہ بھی موجود تھے، انہوں نے کہا کہ دنیا بھر میں ۶.۵ کروڑ افراد ایڈز کا شکار ہیں، اور ان میں سے ۹۵ فیصد افراد بالخصوص خواتین کا تعلق پسماندہ علاقوں سے ہوتا ہے، دنیا میں ایڈز سے متاثر ہر سات افراد میں سے ایک ہندوستانی ہوتا ہے، انہوں نے کہا کہ تمل ناڈو کے کرور، ایروڈ، مدورائی، تروچراپلی، پارم بلور، کرشنا گری اور نامکل اضلاع میں ایڈز کے متاثرین زیادہ ہیں، پاکستان میں بھی روشن خیالی، اور عورت کی آزادی کے نام پر عورتوں کی اکثریت پردہ سے آزاد ہوچکی ہیں اور آزاد خیال عورتوں کا ایک طبقہ زیب وزینت اور اپنے حسن کی نمائش پر زور دے رہا ہے اور نیم برہنہ لباس زیب تن کرکے جنسی خطوط کی زیبائش ظاہر کرنے کے خبط میں مبتلا ہوگئیں ہیں، گویا بے حیائی کی تمام سرحدوں کو پار کرگئیں ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ ننگے پن اور بے حیائی مرد وعورت دونوں کیلئے تہذیب کا حصہ بن چکا ہے۔

مغرب کا یہ فلسفہ ہے کہ جھوٹ کو اتنا عام کرو کہ لوگ اسے عین حقیقت سمجھنے لگیں، مغرب کا یہی فلسفہ یہاں بھی کام کررہا ہے کہ بے حیائی، فحاشی، عریانیت اور جنسی بے راہ روی کو اتنا عام کردیا جائے کہ حیا ایک افسانہ بن کے رہ جائے یا دقیانوسیت کی پہچان، اور لوگوں کو اس سے نفرت پیدا ہوجائے، اور مغرب اپنی اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہے، آج عریانیت ایک طرز زندگی بن گئی ہے، عریاں لباس، عریاں غسل آفتابی، عریاں حسن کے مقابلے، عریاں کالونیز، اسٹیج وپردۂ سیمیں پر عریاں اور فحش مظاہرے آج انتہائی مقبول ہیں! اس نظریہ کی پُرزور تشہیر کی جارہی ہے کہ شرم وحیا در اصل کوئی فطری جذبہ ہے ہی نہیں بلکہ محض لباس پہننے کی عادت نے اس کو پیدا کردیا ہے، ستر عورت اور حیاداری کا کوئی تعلق اخلاق وشائستگی سے نہیں، بلکہ وہ درحقیقت انسان کی داعیات صنفی کو تحریک دینے والے اسباب میں سے ایک سبب ہے، کہا جارہا ہے کہ عریانیت میں کوئی ناشائستگی نہیں ہے، بلکہ صحت کیلئے مفید ہونے کی بناء پر اس مسلک کو زیادہ سے زیادہ اپنایا جانا چاہئے، اور اب

حالت یہ ہے کہ جنسی تسکین مہیا کرنے کیلئے عورت بالکل ننگی ہو چکی ہے، مرد کے ہوا وہوس اور عورت کے جذبۂ آزادی نے حسن آرٹ کی قربان گاہ پر عورت کی بھینٹ چڑھادی ہے، اس کے جذبۂ آرائش وحسن کو اتنا ابھارا کہ وہ عام زندگی میں نیم عریاں اور رقص وسرود کی محفلوں اور اسٹیج پر تو پوری طرح عریاں ہوگئی ہے۔

''جس قوم میں بے راہ روی ہی طرز زندگی بن جائے اور قوم کے بیشتر افراد اسی راہ پر گامزن ہو جائیں اس قوم کا زوال یقینی ہے، ریک لٹریچر اور بے قید طرز زندگی اسلئے مذموم ہے کہ محبت کے بغیر جنسی اختلاط انتہائی وحشیانہ قسم کی خودغرضی ہے، اسلئے پارٹنر گرانی پر بندش عائد کی جانی چاہئے جو ایسا نہیں سوچتے انہیں روم، یونان، مصر اور خود ہندوستان کی ان قدیم تہذیبوں کی طرف عبرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے جنکا پہلے انحطاط ہوا اور بعد میں صفحۂ ہستی سے نیست ونابود ہوگئیں، کیونکہ وہ ہر قسم کی ناروا جنسی حرکات وسکنات میں پوری طرح ملوث ہوگئی تھیں۔''

(بحوالہ ''مغربی تہذیب انحطاط کی شاہراہ پر'' ص ۳۰)

چنانچہ آج یورپ اور امریکہ کا پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے، اور پکے ہوئے پھل کی طرح گرنے ہی والے ہیں، کسی کا اقبال نہ ہمیشہ رہا ہے اور نہ ہمیشہ رہے گا، اس جہان آب وگل کا نظام ہی کچھ اس طرح واقع ہوا ہے کہ اس میں کسی شئے کو سکون وٹھہراؤ نہیں، ہر بناؤ کے ساتھ ایک بگاڑ، ہر بہار کے ساتھ ایک خزاں، ہر چڑھاؤ کے ساتھ ایک اتار، ہر اقبال کے ساتھ ایک ادبار ہے، ﴿تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ پیدائش وموت، جوانی وبڑھاپا، قوت وضعف، بہار وخزاں، شگفتگی وپژمردگی، سب اسی گردش کے مختلف پہلو ہیں، ہر چیز پر ایک دور اقبال کا آتا ہے جس میں وہ بڑھتی ہے، پھیلتی ہے، قوت وزور دکھاتی ہے، حسن وبہار کی نمائش کرتی ہے، پھر ایک دوسرا دور آتا ہے جس میں وہ گھٹتی ہے، مرجھاتی ہے، ضعف اور ناتوانی میں مبتلا ہوتی ہے۔

یہ اللہ کی سنت ہے جو اس دنیا میں رائج ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿سنة الله في الذين خلوا من قبل ولن تجد لسنة الله تبديلا﴾ گزشتہ قوموں میں یہ اللہ کی سنت رہی ہے، اور اللہ کی سنت میں تم کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے، آج کل کی ترقی یافتہ قوموں سے وہ کچھ کم نہ تھے، مگر ان کا انجام کیا ہوا، قوت وطاقت اور مال ودولت کی فراوانی نے انہیں عَرَہ میں ڈال دیا اور خود یہی چیزیں ان کے لئے فتنہ بن گئیں، ﴿فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا﴾ تو ہم نے انہیں بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا۔

یہ حقیقت ہے کہ آنکھ کا اندھا اچھے برے، دوست ودشمن میں تمیز کرتا ہے، لیکن جو عقل کا اندھا ہو اور اسکے دل کی آنکھ کی بینائی سلب کرلی گئی ہو تو ہر سیدھی چیز اس کو ٹیڑھی نظر آتی ہے، ہر موزوں چیز اسے غیر موزوں معلوم پڑتی ہے، یہی حال آج یورپ اور امریکہ کا ہے کہ یہ عقل کے اندھے ہو چکے ہیں، اور ان کے دل کی آنکھیں پھوٹ چکی ہیں، ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ بڑی تیزی کے ساتھ یہ ہلاکت کے جہنم کی طرف دوڑے چلے جارہے ہیں، اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے خنجر سے خودکشی کررہے ہیں، اس تہذیب کے ابتدائی خدوخال کو دیکھ کر ہی علامہ اقبالؒ نے ایک صدی قبل ہی یہ پیشن گوئی کردی تھی۔

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطرے میں ہے اس کا آشیانہ

اب تنبیہوں اور حجتوں کا دور ختم ہونے والا ہے اور آخری فیصلے کا وقت قریب ہے، چنانچہ برتر کنٹرول کے ذریعہ، اسقاط حمل کے ذریعہ، عمل تعقیم کے ذریعہ اپنی نسل کشی کررہے ہیں، ایڈز جیسا خوفناک مرض ان پر مسلط کردیا گیا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ انکے بچوں اور نوجوانوں میں خود کشی کی ایک وبا چلی ہوئی ہے، خودکشی اب بھی امریکہ میں صحت عامہ کا ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے، جہاں ہر سال پچیس ہزار افراد خود اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لیتے ہیں، اور نوجوانوں میں یہ موت کا چوتھا سبب بن گیا ہے امریکہ میں دس سال کے لڑکے اور لڑکیوں میں خودکشی کی شرح برابر بڑھتی ہی جارہی ہے، ڈاکٹر ٹریفرٹ نے ایک سروے میں پایا کہ ۲۱ رسال سے کم عمر کے ۳۰ رنوجوان ہر روز خودکشی کرتے ہیں، امریکہ جیسے خوشحال ملک کی ایک سرکاری کمیٹی نے (جس کے صدر ایس چارلس راب تھے) متنبہ کیا کہ دس سال سے انیس سال کی عمر کے پندرہ فیصدی امریکی نوجوان غشیات، جرائم الاطفال، نیز کمسنی کے حمل کی وجہ سے آگے چل کر کام کرنے کے لائق فرد نہ بن سکیں گے، کیونکہ وہ معاشرہ سے الگ تھلگ ہوتے جارہے ہیں، صرف ریاستہائے متحدہ امریکہ میں دس لاکھ کم سن لڑکیاں ہر سال حاملہ ہو جاتی ہیں، ہر ۹۰ رمنٹ پر ایک نوجوان خودکشی کرتا ہے۔

آج اسی سنتِ خداوندی کا اعادہ پھر ہماری نگاہوں کے سامنے ہورہا ہے، جن بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کی وجہ سے پچھلی قومیں گرفتارِ عذاب ہوئی تھیں اسی نے آج مغربی قوموں کو آپکڑا ہے، خدا نے ان کی شرکشی کے باوجود ان کو ڈھیل دے رکھی تھی اور یہ ڈھیل بھی کوئی معمولی ڈھیل نہ تھی، اب خدا اپنی گرفت میں لے رہا ہے اور چپکے چپکے انہیں جہنم کی طرف لے جارہا ہے، انہیں خبر بھی نہیں ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ اور خدائی داؤ کی مضبوطی یہی ہے کہ کافروں کو ڈھیل ملتی چلی جاتی ہے، اعمال موجب عذاب پر عذاب دنیوی معاً نہیں نازل ہوجاتا اور گرفت فوراً نہیں ہوتی مجرم کو یہ عَرَہ ہوجاتا ہے کہ کوئی گرفت کرنے والا نہیں ہے، اسلئے جرأت عصیاں اور بڑھتی چلی جاتی ہے ..... ماضی اور حال کی تاریخ کے اوراق اس خدائی ﴿كيد متين﴾ کی عملی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں، کوئی کہاں تک ان کا شمار کرسکے۔

چنانچہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کے جلو میں انسان سکون واطمینان کی سانس لے سکتا ہے اور ہلاکت وبربادی سے اپنے کو بچا سکتا ہے اور اسلام کی معتدل تعلیم پر عمل پیرا ہوکر اپنی بگڑی بنا سکتا ہے، لہٰذا اب بھی وقت ہے سنبھلنے کا اس لیے کہ ''صبح کا بھولا شام کو آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے'' اسلام کا دروازہ ہر وقت ہر کسی کیلئے کھلا ہوا ہے اور اللہ کی رحمت ہر ایک کو آواز دے رہی ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ کوئی رہرو منزل ہی نہیں

☆☆☆☆☆

سوال وجواب

از ..... مفتی محمد طارق ندوی

سوال: تلاوتِ قرآن کے درمیان دنیاوی باتیں کرنا کیسا ہے؟

جواب: اگر کوئی ایسی فوری ضرورت پیش آگئی ہو جس کے لیے بات کئے بغیر چارۂ کار نہ ہو تو مختصر کرسکتا ہے مگر جب تلاوت شروع کرے تو اعوذ باللہ الخ ضرور پڑھے۔

سوال: ریڈیو وغیرہ سننے کا کیا حکم ہے جب کہ اس میں جو کچھ سنایا جاتا ہے، اس میں کوئی حرام بات نہ ہو؟

جواب: ریڈیو میں قرآن سے، مفید باتوں سے یا اہم خبروں سے متعلق جو کچھ نشر کیا جاتا ہے اسے سننے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح قرآن کریم کے متواتر پروگرام یا مفید باتوں اور نصیحتوں اور ایسے ہی مفید دوسرے پروگرام سننے میں بھی کوئی حرج نہیں اور خبروں کا سننا مباح ہے، گانے وغیرہ سننا جائز نہیں۔

سوال: ایک شخص آئے دن بذریعہ ٹرین یا بس سفر کرتا ہے، اکثر دوران سفر دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے کبھی قبلہ درست نہیں، رکوع وسجود کے لیے مناسب جگہ نہیں، ایسے حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ مذکور شخص منزل مقصود پر پہونچ کر فرض سے سبکدوش ہوخواہ قضا ہی کرنا پڑے؟

جواب: نمازیں دوران سفر از روئے شرع مطلوب ہیں جس حد تک قدرت ہو شرائط نماز اور فرائض نماز پوری کرے، گھر جاکر نمازوں کی قضا کرنے پر عنداللہ ماخوذ ہوگا۔

سوال: زید کی حالت بہت زیادہ خراب ہونے کی وجہ سے نماز قضاء ہوتی رہتی تھی اب انتقال ہوگیا ہے، زید کی کوئی وصیت قضا نمازوں کے سلسلہ میں نہیں ہے ایسی صورت میں جو نمازیں قضا ہوگئیں ہیں کیا وارثین اسکا فدیہ دے سکتے ہیں؟

جواب: میت کی طرف سے نمازوں کا فدیہ دو جبا نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی طرف سے قضاء کی جائے گی، اگر وارثین اپنی طرف سے فدیہ دیدیں تو امید ہے کہ کفارہ ادا ہوجائے گا۔

سوال: میں مدھیہ پردیش میں رہتا ہوں میرا آبائی وطن اس مقام سے تقریباً ۸۰۰ کلومیٹر دور ہے ہر مرتبہ بارہ دن کے بعد ایک بار اپنے وطن واپس چلا جاتا ہوں اور وطن میں تین چار دن رہ کر واپس آجاتا ہوں، سال بھر ایسا ہی میرا معمول ہے، ایسی صورت میں مجھے نماز کس طرح ادا کرنی چاہئے، میں کہاں مسافر ہوں اور کہاں مقیم ہوں؟

جواب: آپ اپنے آبائی وطن میں نماز پوری پڑھیں چاہے وہاں آپ صرف ایک دن ہی کے لیے رکیں اور چونکہ مذکورہ مقام پر آپ پندرہ دن سے کم ہی ٹھہرتے ہیں لہٰذا وہاں آپ مسافر ہی رہیں گے اور قصر کریں گے۔

سوال: ظہر کی نماز پڑھانے کیلئے امام کو سنت پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: امام کو چاہیے کہ ظہر کی سنتیں پڑھ کر نماز پڑھائے، فرض نماز پڑھانے کیلئے سنتوں کا پڑھنا واجب نہیں ہے، مگر مسنون ضرور ہے۔

سوال: مردوں کی طرح زندوں کیلئے بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: زندوں کیلئے بھی ایصال ثواب کیا جاسکتا ہے۔

سوال: جب نماز جنازہ میں امام تکبیر کہتا ہے تو بعض لوگ آسمان کیطرف سر اٹھاتے ہیں اور اسکو ضروری سمجھتے ہیں، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نماز جنازہ میں نماز پڑھتے اور پڑھاتے وقت آسمان کی طرف سر نہیں اٹھانا چاہیے، کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ ایسا نہ کرو کیونکہ ڈر ہے کہ تمہاری نگاہیں اچک لی جائیں۔

سوال: ایک شخص حلال وحرام دونوں قسم کے کاروبار کرتا ہے اور اسکا الگ الگ حساب نہیں رکھتا ہے، لہٰذا اگر وہ دعوت دے تو لوگوں کو اس میں شرکت کرنی چاہیے؟

جواب: مذکورہ صورت میں اگر مذکور شخص کی اکثر آمدنی جائز وحلال ہے تو اس کے یہاں شریک ہوکر کھانا کھا سکتے ہیں، احتیاط کرنا بہتر ہے۔

سوال: وکالت کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: وکالت کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کی صورت اگر یہ ہے کہ وکیل نے جھوٹ اور دھوکہ بازی سے کام نہ لیا ہو بلکہ اپنی بساط بھر اس نے صحیح مقدمہ لیا اور دیانت داری سے وکالت کی تو اس سے حاصل شدہ رقم حلال ہے، اگر اس نے وکالت میں جھوٹ اور دھوکہ بازی کا سہارا لیا تو اس سے حاصل شدہ رقم یقیناً حرام ہے۔

سوال: ایک شخص قرأت سے پہلے رکوع میں چلا جاتا ہے اور حالت رکوع میں قرأت مکمل کرتا ہے کیا یہ درست ہے؟

جواب: نہیں! قرأت کے مکمل ہونے سے پہلے رکوع کرنا اور قرأت کو رکوع میں مکمل کرنا مکروہ ہے۔

☆☆☆☆☆

رسید کتب

از ..... شمس الحق ندوی

نام کتاب: سوانح حضرت مولانا ابرار الحق حقیؒ

نام مصنف: محمود حسن حسنی ندوی

صفحات: ۲۳۶

قیمت: ۷۰ روپے

حضرت مولانا ابرار الحق رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آتے ہی جن لوگوں نے دیکھا ہے ان کی نگاہوں میں پاک ظاہر، پاک باطن بزرگ کی تصویر پھرنے لگتی ہے، اطوار وعادات، رفتار وگفتار، نشست وبرخاست، ظاہری وضع قطع، لباس واستعمال کی دیگر اشیاء، ہر چیز میں سنت کا نور، سلیقہ کا شعور جھلکتا اور چھلکتا نظر آتا ہے، زبان کھلتی ہے تو عبادات، معاملات، سلام ومصافحہ، کھانے پینے ہر چیز میں سنت کا طریقہ اپنانے کی تلقین وترغیب کے لیے، غرض یہ کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر احیاء سنت کا اتنا غلبہ اور حال بن گیا تھا کہ سفر ہو کہ حضر، صحت ہو کہ بیماری ہر حال میں یہ سلسلہ جاری رہتا تھا، راقم سطور کو بذات خود زیارت وعیادت حضر وسفر ہر حال میں دیکھنے کا من جانب اللہ شرف حاصل ہوا ہے، ہردوئی دو مرتبہ جانا ہوا پہلے سفر میں حضرت موجود نہیں تھے مختصر جائزہ کے بعد واپسی ہوگئی، دوبارہ حاضری محمد بھائی، پٹنی مالک آندھرا ٹرانسپورٹ بمبئی کے ساتھ ہوئی، حضرت موجود تھے اکرام ضیف کا اہتمام جس سلیقہ، صفائی وستھرائی کے ساتھ سامنے آیا کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا، خود چل کر مدرسہ کی ہر چیز دکھائی، پورے مدرسہ میں کاغذ کا کوئی ٹکڑا تک نظر نہیں آیا فرمایا جس طرح علم کا احترام ہونا چاہئے اسی طرح آلات علم کا بھی احترام ہونا چاہئے، یہی بات عیادت کے وقت پیش آئی علیل تھے اور محمد بھائی کے یہاں سہاگ پیلس میں قیام تھا، راقم سطور اور مولوی فضل الرحمن ندوی استاذ درجہ حفظ دار العلوم ندوۃ العلماء مزاج پرسی کو گئے اپنی طبیعت کا حال بتانے کے بجائے حضرت نے تعلیم وتدریس سے متعلق ذمہ داریوں کے بارے میں باتیں شروع فرمادیں اور جب تک رہے یہ سلسلہ جاری رہا، ہم لوگوں نے حضرت کے تعب کے خیال سے جلد رخصت ہونے کی اجازت لی اور چلے آئے۔

اتنی خودنمائی کا ذکر اس لیے ضروری تھا کہ عزیزم مولوی محمود حسن حسنی سلمہٗ نے حضرت کا جو سراپا پیش کیا ہے اس میں اپنا مشاہدہ بھی شامل ہوجائے۔

کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے، جس میں خاندانی سلسلۂ نسب، جس ماحول میں حضرت نے آنکھیں کھولیں والد ماجد کی وجاہت دنیاوی کے ساتھ ساتھ صلابت دینی اور حکیم الامت حضرت تھانوی کی دست گرفتگی اور ان کے اصول وتعلیمات پر وارفتگی وفریفتگی اور اپنے چھوٹے صاحبزادہ یعنی محی السنۃ کو دینی تعلیم میں لگا دینا، اور حضرت کا پورے ذوق ولگن کے ساتھ اس مرحلہ کو طے کرنا اس طرح کہ تعلیمی انہماک کے ساتھ اساتذہ کی خدمت ان کے ادب واحترام کا وہ قابل تقلید نمونہ سامنے آتا ہے جس نے حضرت کو اس مقام تک پہنچایا کہ ان کے تذکرہ میں ایک ضخیم کتاب وجود میں آگئی، مرشدی ومولائی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرمایا کرتے تھے "لوگ بزرگوں کے حال کو دیکھتے ہیں، ان کے ماضی کے مجاہدات، بے نفسی، خودسپردگی، اوراپنے کو "کالمیت فی ید الغسال" (غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت) کی طرح مرشد کے حوالے کردینے کے حالات سامنے نہیں ہوتے جن کے صدقے میں یہ بلند مقام حاصل ہوتا ہے۔

یہ ساری باتیں کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ آگئی ہیں جو طلباء وعلماء نیز تمام طالبین صدق وصفا کے لیے روشنی کے منار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس کے بعد مولانا کے اس مقام بلند کا تذکرہ آتا ہے جس نے اولاً ان کو ہردوئی کے گاؤں میں کبھی پیدل کبھی سائیکل پر سردی، گرمی، برسات ہر موسم کی کٹھنائیاں جھیل کر عوام کی تربیت اور بچوں کی تعلیم کی ایسی جوت جگائی کہ ضلع ہردوئی کا نام روشن ہوا اور وہ عوام اور علماء، صلحاء سب کا مرجع بن گیا۔

کتاب میں مولانا کے کام کی وسعت وپھیلاؤ اور ملک وبیرون ملک کے دور دراز علاقوں میں اس کے جوا ثرات پھیلے اور کام ہوا سب کا تذکرہ آگیا ہے۔

مولانا کے ممتاز رفقائے درس میں حضرت جی مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن رحمہما اللہ جیسے حضرات تھے جن سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔

کتاب میں مولانا کے اسفار، حج وعمرے، مشائخ ومسترشدین علماء واہل دین کی قدردانی اصلاح وتربیت کی فکر ولگن سبھی کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ دلکش انداز میں آگیا ہے، تذکرہ نویسی کتاب کے مصنف عزیز سعید مولوی محمود حسن حسنی ندوی سلمہٗ کا خاندانی ورثہ ہے جس کو انہوں نے امید افزا انداز میں ادا کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ سے زیادہ کام لے، کتاب سے خود ان کے ذوق ولگن کی بھی تصویر سامنے آجاتی ہے، اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے اور خوب خوب کام لے، کتاب ایسی ہے کہ اس کا مطالعہ روحانی بالیدگی عطا کرتا ہے، حضرت محی السنۃ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو تو بالخصوص اس کے مطالعہ کا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس سے حضرت کی مجلسوں کے انوار پھیلتے نظر آتے ہیں۔

کتاب ناظم ندوۃ العلماء وصدر مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے دیباچہ اور مولانا سید محمد واضح رشید دام ظلہ کے مقدمہ سے مزین ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کا سایہ تادیر قائم رکھے۔

☆☆☆☆☆

Kamaluddin
& Sons Perfumers

Specialist In

Indian Attar Like Shamama, Rhuhkhus, Hina etc.

عطر کی مشہور قدیم دوکان

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب، اگربتی

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

کمال الدین اینڈ سنس پرفیومرس

Akbari Gate, Lucknow-226003
Phone : 0522-2267501

MEENA
QUALITY CAKE

مینا بیکری

MEENA BAKERY

Specialist In:

Bread, Bunds, Cakes, Biscuits, Pasteries, Rusk, Birthday Cakes, Paties, Rolls etc.

337 Phool Bagh, Luucknow-226001

Ph.: 2629448

مولانا برکت اللہ بھوپالی ایجوکیشن اینڈ سوشل سروس سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے زیر اہتمام جنگ آزادی کے عظیم مجاہد، حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور پہلی جلاوطن حکومت کے وزیر اعظم

پروفیسر مولانا برکت اللہ بھوپالی

کی یاد میں قائم دینی وعصری تعلیم کے اہم مراکز

برکت اللہ پبلک ہائر سیکنڈری اسکول

گاندھی نگر، مدھیہ پردیش، انڈیا اور

برکت اللہ گرلز ہائر سیکنڈری اسکول

سلطانیہ روڈ، ٹیلی فون ایکسچینج کے سامنے، بھوپال، ایم پی، انڈیا

"کلیۃ برکت اللہ" کی تعمیر الحمد للہ نرسنگھ گڑھ روڈ پر جاری ہے، جس میں بورڈنگ کا اعلیٰ اسطحی انتظام ہوگا۔

مذکورہ اداروں میں عصری تعلیم کیساتھ دینی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہے۔ غریب اور نادار مفلس طلبہ کو مفت تعلیم دی جاتی ہے

منجانب: حاجی محمد ہارون ایڈوکیٹ، بانی وناظم اعلیٰ

فون: 0091-755-2543466, 2642715

شوگر کے مرض سے دائمی نجات کے لئے ایک مؤثر یونانی دوا

رجسٹرڈ نمبر 17476

شوگر آف

چار ماہ مسلسل استعمال سے شوگر کے مرض سے مکمل چھٹکارا۔

اسٹاکسٹ: اودھ اسٹور، امین آباد لکھنؤ

فون: 0522-2614054

تیار کردہ: آرام فارمیسی، لکھنؤ

فون: 2248567، موبائل: 9415500247

9936510837

Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796
پروپرائٹر: ولی اللہ
WALIULLAH JEWELLERS
All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery
ولی اللہ جویلرس
Jutey wali Gali, Aminabad, Lucknow

Quba Awning
Awning & DEMOTENT
Demotent
Scooter India Crossing
Gauri Bazar Kanpur Road
Lucknow
Ph: 0522-2817580
M: 09335236026, 09839095795
Branch Office
Maidan Pur Takiya Kalan Raibrelly
Ph: 9336324071

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Ph: 23460220-23468708 Tele: Add Cupkettle

Maqbool Mian Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9415001207-9335726377

CAFE FIRDOS
فردوس کیفے
Partly Air Conditioned
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel : 23424781-23459921
145, Sarang Street,Crawford Market, Mumbai-400003

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں
men mark ®
58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone: (S) 2616946 (R) 2627443

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956
حرمین ٹریڈرس
محمدیہ پروڈکٹس کے سپر اسٹاکسٹ
النبیل یو اے ای۔ کلونجی تیل اور کلونجی پروڈکٹس کے اسپشلسٹ
کھوجاتی سرمہ
روغن بلسن
عطریات
حرمین بک ڈپو
پرفیومس النبیل دوبئی
شہر لکھنؤ U.A.E. کے مختلف عطریات سے معطر
دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹر بی-این-ورما روڈ، امین آباد لکھنؤ

Abdullah Malik (Managing Director)
Ph: 0522-2266824, 2252789, (O) 2240999
S. Abdul Malik & Sons
Our World Famous Perfumes Exporters, Importers & Manufacturing Perfumesetc
Shamamatul Amber , Keora, Gulab, Ruh Khus, Ruh Gulab, Mohsin Shamama, Malik Shamama
253/28, Nadan Mahal Road, Nakkhas , Lucknow, U. P. (India)

Nadwatul Ulama
P.O. Box No. 93, Tagore Marg,
Lucknow - 226007 (India)

ندوۃ العلماء
ص.ب.۹۳ ٹیگور مارگ
لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۸ (الہند)

Date _____ التاریخ _____

اہل خیر حضرات سے اپیل

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے۔ طالبان علوم دین کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں درجات کی بڑی کمی واقع ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے سال گذشتہ داخلے محدود کرنے پڑے، اور جدید طلباء کی ایک بڑی تعداد مایوس ہوکر واپس ہوگئی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء نے جدید درسگاہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر یہ تعمیر شروع کرادی گئی ہے۔

اس جدید درسگاہ میں جو تین منزلہ ہوگی پندرہ درجات ہوں گے۔ ہر درجہ ۳۴×۲۵ فٹ کا ہوگا۔ اور اس کے سامنے برآمدہ ہوگا تاکہ طلباء کو تنگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس تعمیر پر ۷۶ لاکھ روپئے کے خرچ کا تخمینہ ہے، جو انشاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے، اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے تاکہ طلباءِ علمِ دین دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہونچے گا۔

وما ذلك على الله بعزيز

(مولانا) واضح رشید ندوی	پروفیسر وصی احمد صدیقی	(مولانا) سعید الرحمن اعظمی ندوی	(مولانا) مفتی محمد ظہور ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء

نوٹ: چیک یا ڈرافٹ پر صرف یہ لکھئے: Nadwatul Ulama

Phone : (91-522) 2741316, 2740151 Fax : 2741231, 2741221
e-mail Address : nadwa@sancharnet.in / website: www.nadwatululama.org